ساتھ حیدرآباد مین منگواکر دیکھا تھا' اور جس رقعہ کے ساتھ انکے دفتر مین اسکو واپس بھیجا تھا اُسمین اُنکو بہت غیرت دلائی تھی کہ ابتک اُسکے شائع کرنے کا یہان کسیکو خیال نہین آیا' یا تو سرکار کی طرف سے آپ اسکو چھپوادین یا بعض اشخاص جو اُسکے چھاپنے پر آمادہ ہین انکو اجازت دیدین اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس مسودہ کو خود مولانا کے پاس بھجوادین کیونکہ اسمین جابجا کورے اوراق چھوڑ دیئے گئے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اسمین کچھ اور اضافہ کرنا منظور ہے۔ سیر کاظم علی صاحب نے بہت دن کے بعد اسکا یہ جواب دیا کہ سرکار سے اُسکے چھاپنے کی منظوری لے لی گئی ہے لیکن باوجود اسکے کہ مین اسکے بعد کئی مہینہ تک وہان ٹھہرا رہا میرے سامنے اسکے چھپنے کی نوبت نہین آئی' بفرض محال وہان چھپتا بھی تو بالکل مسخ ہوتا' آپنے بہت اچھا کیا کہ یہان چھپنے کو دیدیا' جب موازنہ بالکل چھپ جائے تو از راہ عنایت اسکی بھی ایک جلد سکریٹری وکٹوریا موریل لائبریری کے نام ضرور بصیغہ ویلیو پی ایبل بھجوا دیجیگا' زیادہ نیاز

خاکسار آپ کا مخلص دعاگو

الطاف حسین حالی

Ahmed Hasan ... 3/8/17

عددِ ہفتم	ماہِ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق جنوری ۱۹۱۷ء	مجلد اول

فہرس مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

معارف نے سنہ ۱۹۱۶ء کے اختتام پر اپنی عمر کی پہلی ششماہی پوری کی، یہ رسالہ ایسے وقت مین نکلا کہ تمام عالم حیات و ممات کی کشمکش مین مبتلا ہے، ہندوستان گو مرکز جنگ سے بہت دور ہے، لیکن حاکمیت و محکومیت کے قدرتی تعلق کی بنا پر اسکو بھی میدان جنگ کے اندر ہی سمجھیے، قانون کی سخت گیری ایک طرف، اور سامان طبع کی کمیابی نے دوسری طرف ہندوستانی پریس کے پرانے اور کہنہ سال دفترون کو ماتمکدہ بنا دیا ہے، پھر اطفال نوخیز کی داستانِ غم کیا سُنائی جاے، جنکی زبان حال پر یہ مصرع ہے،

اُڑنے نپاے تھے کہ گرفتار ہم ہوے

معارف مین جو کاغذ لگتا ہے، تمام ہندوستان مین آج کل کسی اردو رسالہ مین نہین لگتا، باین ہمہ یہ صرف بطیب خاطر گوارا ہے کہ احباب کی تواضع و مدارات مین فرق نہ آئے لیکن آخر معارف کے احباب پر بھی تو چند فرائض عائد ہین، یہ چند فقرے اسلئے زبان قلم پر آگئے کہ

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

غالبًا آٹھ سو روپیہ صرف آئیگا، ایک دو جلدون کا سامان ہوجائے تو بقیہ جلدین خود اسی کے منافع سے چھپ جائینگی،

اس کارِ خیر کی تیاری اور عمل مین ابتک مخدومنا مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کا سب سے بڑا حصہ رہا ہے، اور درحقیقت انہین کی فرمایش اور اشارہ سے یہ عظیم الشان کام شروع ہوسکا، ہم قلم کے مزدورون کا جو کام تھا انجام پاچکا، اب دولت کے امانت کارون کو اپنے فرض کے بجالانے کا موقع حاصل ہے،

اردو انسائیکلوپیڈیا کی جو تحریک ہماری طرف سے مختلف اخبارات مین شائع ہوئی ہے ہمکو خوشی ہے کہ اکثر ارباب قلم اور معاصر اخبارات و رسائل نے دل سے اسکا خیر مقدم کیا، اس کام کی حقیقی ابتدا تو اکتوبر ۱۰ء سے ہوگی، لیکن ابتدائی کام کا نقشہ ابھی سے تیار ہو رہا ہے، تمام علوم کو سترہ اصناف پر منقسم کیا گیا ہے، اور ہر صنف کو ایک دائرہ بنایا گیا ہے، اس طریقے سے سترہ دائرے ابتک قائم کئے گئے، ہر دائرہ کا الگ الگ ایک ایک دبیر خصوصی ہوگا، جو اس فن مین ملک کا مشہور اور قابل ترین عالم ہوگا، ملک کے جن اشخاص سے علمی اعانت کی اُمید ہوسکتی تھی، زبانی یا تحریری اُنسے مبادلۂ خیال ہوچکا،

انسائیکلوپیڈیا مین مغربیات کے علاوہ مشرقیات کا حصہ بھی جی لگاکر لکھا جائیگا، اور تحقیق کے معیار سے ایک حرف بھی فروتر نہوگا، اس طرح امید ہے کہ اردو انسائیکلوپیڈیا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا بھی کام دے،

مغربیات مین تمام علوم و فنون جدیدہ کے چیدہ اور منتخب حصے آجائینگے، جدید علوم پر یورپین کتابون کے لکھنے سے جو بات حاصل نہوتی وہ اس مجموعہ کے ذریعہ سے انشاء اللہ حاصل ہوگی۔

مقالات

جنّتِ سبا

اور

قرآن مجید کے ثبوت اعجاز کی کچھ قدیم شہادتین

عرب کے صوبہ یمن مین حضرت مسیح سے تقریبًا بارہ سو برس پہلے سبا کے نام سے ایک عظیم الشان حکومت قائم تھی، یمن کی مشہور شہزادی بلقیس[1] اسی مملکت سبا کی فرمانروا تھی، قرآن مجید، توراۃ اور انجیل ان تینون صحیفون مین اس ملکۂ سبا کا مفصل و مجمل تذکرہ موجود ہے، حضرت سلیمان کی بارگاہ مین پہونچنا، اور تحائف پیشکش کرنا بھی سب کو معلوم ہے،

سبا کا دار الحکومت شہر مارب تھا، اسکے افتادہ اور منہدم آثار ابتک موجود ہین، یورپ کے علمائے آثار مین سے ارناؤ، گلازر، اور ہالوے نے اٹھارھوین صدی کے مختلف سنین مین ان آثار باقیہ اور منہدم یادگارون کا بچشم خود معاینہ کیا، اُنکے کتبات کو حل کیا، اور عمارتون کے نقشے تیار کئے،

سبا ایک صلح پسندانہ اور امن و مسرت کی حکومت تھی، یہی سبب ہے کہ اُس نے اپنی قوت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کی بجائے عمارتون پر صرف کیا، ان مین سے بعض عمارتین عہد اسلام تک باقی تھین، اسلامی مورخین نے خود دیکھا ہے، اور اپنی کتابون مین انکے حالات لکھے ہین، ہمدانی نے اکلیل کا ایک باب صرف انھین عمارتون کے لئے مخصوص کیا ہے،

[1] یہ نام مشہور ہے لیکن صحیح نہین،

سبا کے ابتک جو کتبات ملتے ہین، وہ زیادہ ترانہین عمارتون کی یادگاری لوحین ہین، نشوان بن سعید حمیری نے قصیدہ حمیریہ مین تقریباً ۲۵ عمارات شاہی کا ذکر کیا ہے، یورپین سیاح بھی ان عمارات کے کھنڈرون کے عجیب وغریب حالات بیان کرتے ہین، قصر سلحین جو بارگاہ شاہی تھا، اسکا نشان بھی ابتک موجود ہے،

اسی سلسلۂ عمارات مین ایک "بند آب" ہے، جسکو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہین، عرب کے ملک مین کوئی دائمی دریا نہین، صرف سلسلۂ کوہستان ہے، پانی پہاڑون سے بہکر ریگستانون مین خشک ہوجاتا ہے، اور ضائع جاتا ہے، زراعت کے مصرف مین نہین آتا، سبا نے مختلف مناسب موقعون پر پہاڑون اور وادیون کے بیچ مین بڑے بڑے بند باندھ دئے تھے کہ پانی رُک جائے، اور بقدرِ ضرورت زراعت کے مصرف مین آئے، مملکت سبا مین اس قسم کے سینکڑون بند تھے، ان مین سب سے زیادہ مشہور سدِ مارب تھا جو خود دار الحکومت کے اندر واقع تھا،

شہر مارب کی جنوب مین داہنے بائین دو پہاڑ ہین، جنکا نام کوہِ ابلق ہے، دونون پہاڑون کے بیچ مین وادی اذینہ ہے، پہاڑون اور نیز اِدہر اُدہر سے پانی جمع ہوکر وادی اذینہ مین ایک دریا جاری ہوجاتا ہے، سبا نے ان دونون پہاڑون کے درمیان تقریباً سنہ ق.م مین سدِ مارب کی تعمیر کی تھی، یہ بند تقریباً ۱۵۰ فٹ لمبی اور ۵۰ فٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اسکا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے، لیکن تاہم اُسکی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے، ارناؤ ایک یورپین سیاح نے اسکی موجودہ حالت پر ایک مضمون جرنل ایشیاٹک سوسایٹی کے جرنل مین لکھا ہے، اور اُسکا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا، اس دیوار پر جابجا کتبات ہین وہ بھی پڑھے گئے ہین،

عام مسلمان مورخین چونکہ ہر قدیم عمارت کو "بناے سلیمانی" کہنے کے عادی ہین، اس لئے اس سد کا بانی وہ بلقیس ملکۂ یمن وحرم سلیمانی کو قرار دیتے ہین، لیکن سدِ مارب کے بقیہ حصہ پر جو کتبات ہین، ان مین بانیون کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے ہین، ان مین سے یثع امر بین بن سمہعلی ینوف مکارب سبا، سمہعلی ینوف بن ذمرعلی مکارب سبا، کرب ایل بین بن یثع امر مکارب سبا، ذمرعلی ذرح ملک سبا، اور بدع ایل وتار کے نام پڑھے گئے ہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد ایک زمانۂ ممتد مین مختلف سلاطین یمن کے عہد مین تعمیر ہوا ہے، اسکا پہلا بانی یثع امر تھا جو آٹھوین صدی ق.م مین تھا،

اس سد مین اوپر نیچے بہت سی کھرکیان تھین، اوپر سے نیچے تک کی کھرکیان حسب ضرورت کھولی اور بند کیجاتی تھین، سد کے دائین بائین مشرق ومغرب مین دو بڑے بڑے دروازے تھے، جس سے پانی تقسیم ہوکر چپ وراست کی زمینون کو سیراب کرتا تھا، اس سد کے حالات ہمارے مفسرین نے جو بیان کئے ہین[1]، بعینہ ارناؤ کے بیان سے اسکی تصدیق ہوتی ہے[2]، نقشہ کے دیکھنے سے صورتِ حال اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیگی،

اس نظام آب رسانی سے چپ وراست دونون جانب اس ریگستانی دشوار ملک کے اندر ۳۰۰ میل مربع مین سینکڑون کوس تک بہشت زار تیار ہوگئی تھی جسمین انواع واقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے، انکی خوشبو دور تک پھیلی رہتی تھی، قرآن مجید ان آیات مین انہین باغون کی طرف اشارہ کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ، جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ، كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ، بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ	سبا کے لوگونکے لئے خود انکے گھر مین قدرت خدا کی ایک عجیب نشانی موجود تھی، دو باغون کا سلسلہ، دائین بائین، سبا کے لوگو اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور شکر کرو،

[1] تفسیر آیت مذکور، طبری، بغوی، [2] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ سنہ ۱۸۷۴ء،

وَرَبٌّ غَفُورٌ (سبا ۲۰)
شہر ہے پاکیزہ، اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ہمارے مخالفین، تفسیرون مین اس جنتِ زار کے عجیب وغریب قصے جو مذکور ہین، انکو پڑھکر خندۂ تحقیر کے ساتھ کہتے تھے کہ کیا عرب کے خشک ریگستان مین بھی کبھی یہ باغ وبہار تھی ہم اس شکر خند ہنسی کو سُنکر خاموش ہو رہتے تھے، لیکن الحمد للہ کہ اب حاملین قرآن کی آنکھین جسقدر کھلتی جاتی ہین، اور انکو قدیم وجدید یورپ کے سربمہر خزانون پر دسترس ہوتی جاتی ہے قرآن مجید کے ثبوت اعجاز کی نئی نئی شہادتین اُنکے سامنے آتی جاتی ہین،

چوتھی صدی ق۔م سے پہلی صدی ق۔م تک یونانی مصر کے حکمران تھے، انکے عہد مین مصر کا دار الحکومت "اسکندریہ" تمام مشرقی اور مغربی تاجرون کا مرکز تھا، سبا اس عہد کی سب سے بڑی تاجر قوم تھی، ان تعلقات کی بنا پر یونانی سیاح اور تاجر یمن تک پہونچا کرتے تھے، یمن کا نام انکی زبان مین "عربیا فیلکس" یعنی "خوش قسمت اور خوشحال عرب" ہے، اس خوشحال اور خوش قسمت قطعہ عرب کے حالات جو انھون نے اپنے زمانہ مین لکھے، اُنسے "سبا کی جنت کی" داستان کے عجیب وغریب احوال منکشف ہوتے ہین، اور اُنکو پڑھکر قرآن مجید کے اعجاز کا ایک تعجب انگیز باب ہمارے سامنے آجاتا ہے، اور ہمکو اپنے معترضین کے خندۂ تحقیر پر اب خود ہنسی آتی ہے،

اراٹوستھنیس Eratosthenes (۱۹۴ سنہ ق م) ایک یونانی مورخ بیان کرتا ہے:

عرب کی انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند وعرب) کے پہلو مین ... سبا کے لوگ ہین، جنکا دار الحکومت مارب Mariaba ہے ... یہ قطعۂ زمین مصر زرین سے بڑا ہے، گرمیون مین بارش ہوتی ہے، اور دریا جاری ہوتے ہین، جو میدانون اور تالابون مین جاکر خشک ہو جاتے ہین، اسی سبب سے زمین اسقدر سرسبز وشاداب ہے کہ تخم ریزی وہان سال مین دو بارہ ہوتی ہے،

حضر موت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے، اور معین سے سوداگر ۷۰ دن مین ایلہ (عقبہ) پہونچتے ہین، حضر موت، معین اور سبا کے ملک خوش وخرم ہین، اور ہیکلون اور شاہی عمارتون سے آراستہ ہین۔

ایک اور یونانی مورخ اگاتھرشیڈس (Agartharchides) (۱۴۵ سنہ ق م) جسکی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق۔م ہے، بیان کرتا ہے،

سبا عرب آبادان (Arabia felix) مین رہتے ہین، جہان بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہین، زمین متصل بحر مین بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہین، جو دیکھنے مین نہایت بھلے معلوم ہوتے ہین، اندرون ملک مین بخورات، دارچینی، چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختون کے گنجان جنگل ہین، اور ان درختون سے نہایت شیرین بو پھیلا کرتی ہے، درختون کے اقسام کی کثرت وتنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام ووصف مشکل ہے، جو خوشبو اس مین سے اُڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہین، اور جنکی تعریف لفظون مین ادا نہین ہو سکتی، جو اشخاص اس زمین سے دُور، ساحل پر سے گذرتے ہین وہ بھی جب ساحل کی طرف ہوا چلتی ہے، تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہین ان مسالون کو وہان کاٹتے نہین، اور کاٹکر انکا انبار نہین لگاتے، لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہین، اسلئے جو شخص اس ساحل سے گذرتا ہے، وہ آبحیات کا گویا لطف اُٹھاتا ہے یہ تشبیہ بھی اسکی قوت ولطافت کے لحاظ سے ناقص ہے،

"سبا مین حکومت وراثتہً منتقل ہوتی ہے، انکا بڑا شہر مارب ہے جو ایک پہاڑ پر واقع ہے (جبل ابلق) بادشاہ اسی شہر مین رہتا ہے، جو لوگون کو فیصلہ دیتا ہے، لیکن اسکو کبھی اسکی

اجازت نہین کہ وہ اپنا قصر چھوڑکر نکل سکے، اگر وہ اسکے خلاف کرتا ہے تو وہ حسب حکم مذہبی سنگسار کردیا جاتا ہے"

"سبا تمام دنیا مین سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہین، چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے، بُعد کے سبب سے کسی نے انکو فتح نہین کیا ہے، اسلیئے خصوصاً اُن کے دار الحکومت مین سونے چاندی کے برتن ہین، تخت اور پیشگاہین ہین جنکے ستون زرنگار اور نقرئی وطلائی نقش ونگار سے آراستہ ہین، ایوان اور دروازے زر وجواہر سے منقش ہین، اس قسم کی زیب وزینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وہ صرف کرتے ہین"

مشہور سیاح آرٹی میڈوروس (Artemedorus) (سنہ ۱۰۰ ق م) باشندۂ شہر افسوس (Ephesus) جو سبا کے عہد آخر مین تھا، لکھتا ہے:

سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب مین ہے، جو ایک پُر اشجار پہاڑ پر زمانۂ خوشحالی (عیش آرائش ومسرت) مین واقع ہے، میوون کی کثرت کے سبب سے لوگ سُست اور ناکارہ ہوگئے ہین، خوشبودار درختون کی جڑون مین لیٹے پڑے رہتے ہین، جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہین، کچھ لوگون کا پیشہ زراعت ہے، اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مالون کی تجارت کرتے ہین، یہ سارے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہین، جہان سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیون مین بیٹھکر دریا کے پار چلے جاتے ہین، عرب وجوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہین، اور وہ اپنے ہمسایون کو دیتے ہین، اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہونچتے ہین۔[1]

[1] یہ تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین ماخذ ڈنکر کی ہسٹری آف انٹیکوٹی سے ماخوذ ہین جلد ا صفحہ ۳۱۰، ۳۱۲-

ان قدیم شہادتون کے بعد جنت سبا کی واقعیت سے کسکو انکار ہوسکتا ہے، اس حقیقت کے متعلق شکوک وشبہات کا جو انبار تھا، ان شہادتون کی ایک چنگاری انکو جلاکر خاکستر کرسکتی ہے۔

ذرۂ عشقے جہانے عقل را غارتگر است

پنبہ گر صد تودہ باشد آتشش یک اخگر است

نسب نامۂ نبوی

آنحضرت کا سلسلۂ نسب اور بعض مباحث مہمہ

(متعلق سیرۃ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

(۲)

افادۂ مولانا حمید الدین بی۔اے۔ صدر دار العلوم حیدرآباد دکن

بنی اسمٰعیل کا حجاز اور اُسکے نواح مین پھیلنا،

وعدۂ الٰہی جو حضرت اسمٰعیل کی برکت کا تھا، بہت جلد پورا ہوا، ہنوز بنی اسحٰق محض چند نفوس تھے کہ بنی اسمٰعیل کی ایک خاص جماعت تیار ہوگئی، توراۃ (تکوین ۳۷-۲۵-۲۸) مین لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق کو اُنکے بھائیون نے ایک اندھے کنوئین مین ڈالدیا تو اسماعیلین اور مدیانیون کا قافلہ جو بحیثیت تجار مصر کو جا رہا تھا، اسی راہ سے گذرا، بھائیون نے یوسف علیہ السّلام کو کوئین سے نکالا، اور بیس درہم پر اسماعیلین کے ہاتھ اُنھین بیچ دیا۔

بہرحال بنی اسمٰعیل بڑھنے لگے اور تمام حجاز مین پھیل گئے، توراۃ مین لکھا ہے کہ یہ لوگ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے ہی، آباد ہوئے، اور انکی بلاد اور قلعے ان کے نامون سے موسوم ہوئے گو بنی اسمٰعیل کے ان تمام قبائل نے اولاً ترقی کی، اور حکومتین قائم کین، چنانچہ ملک عرب کے مختلف حصے اب تک انکے نامون سے مشہور ہین، مگر رفتہ رفتہ یا تو بالکل فنا ہوگئے یا اپنے دوسرے بھائیون مین جذب ہوگئے تاہم ایک مدت تک باقی رہے، مگر آگے چل کر بنی اسمٰعیل کی یادگار صرف معد بن عدنان رہ گئے، پھر بنی معد مین سے صرف قبائل قریش کے ساتھ ولایت کعبہ مخصوص ہوگئی، اور جب قریش کی شاخین بھی زیادہ ہوگئین تو اکثر مذہبی خدمات بنی ہاشم کے ہاتھ مین رہین، اس طرح پر انحضرت کے سلسلۂ نسب مین شروع سے ولایت کعبہ چلی آتی رہی، اور عمود نسب سے مختلف شاخین جسقدر دُور ہٹتی گئین، اسی قدر خانہ کعبہ مین انکا حصہ کم ہوتا گیا حتیٰ کہ طواف کعبہ اور چاہِ زمزم اور صفا اور مروہ بالکل قریش کے ہاتھ مین رہا، قریش جسے چاہتے اجازت دیتے اور جسے چاہتے منع کر دیتے، اس خصوصیت کے ساتھ ان لوگون کو اہل اللہ اور عیال اللہ کا لقب دیا گیا، اور حج مین صرف مزدلفہ تک جو حدودِ مکہ مین ہے جاتے اور عوام سے اپنے لئے یہ امتیاز قائم کرتے کہ ہم چونکہ اہل اللہ ہین اسلئے بیت اللہ سے منفک نہین ہو سکتے اور اگر عرب کی آب وہوا انسان پرستی کی بالکل ضد نہوتی تو یہ لوگ جیسا کہ بابل وغیرہ مین ہوا معبود بنجاتے، حالات اس نقطہ تک پہونچ گئے تھے، اور قریب تھا کہ قریش کو بھی بطحا رمکہ اپنی قدیم خاصیت کی وجہ سے یہان سے نکالدے، کہ خداوند کی محض رحمت سے انحضرت صلعم مبعوث ہوئے، اور نہ صرف شرک اور بدعات کا استیصال کیا بلکہ اپنی خاندان کی بیجا تقدس کو بھی مٹا کر عبادت الٰہی، اور تقرب الی اللہ مین تمام بنی آدم کو برابر کا حصہ دار بنایا، بصورت دیگر خانہ کعبہ کو اسکی اصلی غرض پر واپس لائے، اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کو جو حکم ہوا تھا اسکو عملی صورت مین دوبارہ رائج کیا،

شبہات یہود و نصارےٰ

اب ہم یہود اور نصاریٰ کے اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہین، یہود کہتے ہین

(۱) حضرت ابراہیم عرب مین نہین آئے، اور نہ حجاز مین آباد ہوئے، بیر شبع بیت المقدس کے پاس ہے اور وہی حضرت ابراہیم کا مسکن تھا،

(۲) حضرت اسحٰق ذبیح تھے، اور جس پہاڑ پر انکو ذبح کیا وہ موریا پہاڑ ہی جو بیت المقدس مین ہی۔

(۳) اسمٰعیل کو مع انکے والدہ ہاجرہ کے حضرت ابراہیم نے گھر سے نکالدیا تھا، اور وہ فاران کے بیابان مین جو حجاز سے باہر شمال عرب مین ہی چلے گئے، اور وہین سکونت اختیار کر لی۔

(۴) ہاجرہ ایک مصری لونڈی تھین اور اسمٰعیل کی شادی بھی اُنھون نے ایک مصری عورت سے کردی۔

یہان تک تو یہود کے اقوال ہین، اور قدمائے نصارےٰ بھی اُنکے ہمزبان تھے، یہود

خاندانی رقابت کی وجہ سے بنی اسمٰعیل پر فوقیت چاہتے تھے، اور مذکورۂ بالا اقوال بنی اسمٰعیل
منقصت کے لئے کافی تھے، مگر متاخرین نصارے نے یہ دیکھکر کہ اسلام پر یہ سب وار خالی جاتے
ہین اور نئے اعتراضات اختراع کئے جو حسب ذیل ہین،

(۵) خانہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام سے کچھ سروکار نہین، یہ بُت پرست عرب کا ایک مندر
تھا، اور چونکہ عرب پر اسکا منہدم کرنا شاق ہوتا اِسلئے اگرچہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بتون کو
توڑا اور بت پرستی کو مٹایا، مگر بتخانہ کو مع اسکے رسوم کے مجبوراً رہنے دیا اور ضروری اصلاح پر اکتفا کی،

(۶) عرب حضرت ابراہیم کے اولاد نہین ہین، یہ دعوے صرف قرآن مین کیا گیا ہی جیسا کہ
خانہ کعبہ کو بنیاد ابراہیمی کہا گیا ہے،

(۷) کتاب استثنا جسمین یہ مذکور ہے کہ فاران سے نور الٰہی چمکا غیر معتبر ہے،

(۸) قرآن مین جو قصّے ہین وہ یہود و نصاری سے سُنی سنائی باتین ہین، اور اکثر عمداً یا سہواً
نقل مطابق اصل نہین، اور اسلئے جو حکایتین توراۃ کے خلاف ہین وہ غلط ہین،

اگر ان شبہات پر پوری تفصیل اور بسط کے ساتھ بحث کیجائے تو یہ کتاب تاریخی حیثیت سے
نکل کر مناظرات کا جولانگاہ بنجائیگی جو یہان بالکل بے محل ہوگا، یہود اور نصاری کے جواب مین
مسلمانون نے مستقل کتابین لکھی ہین اور ان شبہات کا پورا استیصال کر دیا ہے، یہان صرف
ناظرین کے خلجان کو دور کرنا ہے اور نہایت اختصار سے کام لینا ہے، اور چونکہ اعتراضات
اہل کتاب کی طرف سے تھے اِسلئے جواب مین زیادہ تر اُنہین کے کلام سے استناد کیا گیا ہی،

پہلے شبہہ پر نظر حضرت ابراہیم کے ہجرت کا ذکر تکوین کے باب ۱۲ و ۱۳ مین مذکور ہے جس سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیت المقدس کیطرف ہرگز نہین گئے بلکہ حجاز کا رُخ کیا، خلاصہ بیان
یہ ہے کہ حضرت ابراہیم مع حضرت لوط اور حضرت سارہ حاران سے کنعان کو آئے اور پھر
وہان سے سِکیم ہوتے ہوئے مورہ کو گئے، اور ایک مذبح بنایا، اور بیت ایل کے مشرق مین خیمہ زن
ہوئے، (یعنی یہین سکونت اختیار کی) اور جنوب کی طرف برابر چلے گئے، اور مصر ہو کر گذرے اسکے
بعد پھر ایک دوسری روایت لکھی ہے کہ ابراہیم مصر سے نکل کر جنوب مین گئے، بیت ایل تک
پہونچے، اور لوط کو اُتر کی طرف روانہ کیا، ان روایتون مین بہت کچھ بے ترتیبی ہے، اور پھر باب ۱۴
بڑھایا ہے، اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ بیت ایل (بیت اللہ) حجاز مین نہ ثابت ہو، ہم ان تصرفات
کی پوری تشریح بخوف طوالت نہین کر سکتے، خاص خاص مواقع کا ذکر اثناء بیان مین آجائیگا،
یہان صرف ہجرت ابراہیمی کو متعین کرنا ہے، پورے بیان کو بتامل دیکھئے تو جنوب کی سمت متواتر
سفر کرنا اور مصر سے گذرنا، اور مروہ تک جانا، اور بیت اللہ کے مشرق مین سکونت پذیر ہونا، صاف
ظاہر ہوتا ہے، یعنی کنعان مبدء سفر ہے، مصر گذرگاہ ہے اور منتہائے سفر بیت اللہ اور مروہ ہے اگر
ان مقامات کی تعیین کر دیجائے تو اصل حقیقت منکشف ہو جائیگی۔

(۱) تعیین کنعان رحلت ابراہیمی مین کنعان سے صرف عرب کا شمالی و مغربی حصہ مراد ہی، کنعان کا
اصلی مرکز عرب مین تھا، مگر چونکہ کنعانیون کے مساکن دُور دور تک پھیلتے رہے، اسلئے یہ لفظ بھی
وسعت حاصل کرتا گیا، اور سواحل شام پر اس کا اطلاق ہونے لگا، قدیم زمانہ مین مصر سے انکے تعلقات
جنگ و صلح اکثر رہا کئے ہین، عرب قافلۂ تجارت مصر کو جاتا ہوا کنعان سے گذرتا تھا، یہین حضرت
یعقوب رہتے تھے اور حضرت یوسف کو یہین سے قافلہ اسماعیلین مصر کو لیگیا، مصری کتبات مین لکھا ہے
کہ عبری قوم کو جو خانہ بدوش عرب تھے، مصر مین سکونت کی اجازت ملی، اس سے بنی یعقوب کے
مصر مین آباد ہونیکی تصدیق ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبری قوم عرب کی ایک شاخ ہی
اور عرب ہی سے نکل مصر مین منتقل ہوئی تھی، حضرت موسٰی مصر سے اولاً بھاگ کر یہین آئے اور بارِ دگر
بنی اسرائیل کو لیکر یہین پہونچے، یہین سے کلب (بنی کلب) کو شمال مین بھیجا، یہود نے اکثر اُن

اقوام کے نسب پر کوئی نہ کوئی داغ لگا دیا ہے جن سے انکی لڑائیان رہی ہین، اسکی بہت سی مثالین ہین، اسی بناپر تکوین مین لکھا ہے صہ ۱: ۶-۷، بنی حام کوش اور مصریم اور فوط اور کنعان ہین، اور بنو کوش سبا اور حویلہ اور سبہ اور رعمہ وستبکاہ ہین، اسکے متعلق انسائیکلوپیڈیا مین ہے، کہ اگر درحقیقت کوش سے اتھوبیا (حبش) مراد ہے، اور مصریم سے ایجپٹ اور فوط سے لیبیا، اور اگر حام درحقیقت عبرانی شکل ہے، قبطی زبان کی لفظ کامت (سیاہ) کی تو یہ عبارت تکوین مشکلات کا مجموعہ ہے، لیکن اگر کوش، مصریم اور فوط شمال عرب مین ہین، اور حام مختصر ہے برحم (جرہم) کا تو تمام دقتین رفع ہوجاتی ہین اور کنعان کی نسبت تو بالخصوص معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ عربی نام ہے، یہ بات محقق ہے کہ تقریباً ۴ ہزار سال قبل از مسیح بنی سام کی ایک موج عرب سے اٹھی اور بابل کو تو یقیناً غالباً کم وبیش شام اور فلسطین کو غرقاب کردیا، اور ۲۸۰۰ اور ۲۶۰۰ کے درمیان ایک دوسری موج عرب سے اٹھی، اور نہ صرف بابل بلکہ شام اور فلسطین اور غالباً ایجپٹ پر چھاگئی، اس سے تھوڑی مدت کے بعد ہم دیکھتے ہین کہ وہ عظیم موسس شہنشاہی وتمدن حمورابی (ابوجرہم) تمام ممالک بابلیہ کا پہلا بادشاہ ہوا، یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اسکے نام کا پہلا جزء جسکو کتاب تکوین مین حام بدر کنعان لکھا ہے اسکے عربی الاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے"۔

اس عبارت سے علاوہ اسکے کہ کنعان کا عرب مین ہونے کا اقرار ہے، اور یہ کہ بنی سام کا اصلی وطن عرب تھا، یہ بھی سمجھ مین آتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا خاندان کیونکر بابل پہونچا، اور پھر جب اُنھون نے دیکھا کہ دولت اور حکومت نے انکی قوم کو بالکل ناقابل اصلاح کردیا تو وہ اپنے آبائی ملک اور قومی ومذہبی مرکز کی طرف واپس آئے، پہلے کنعان پہونچے، اور پھر وہان سے برابر جنوب کی طرف بڑھتے گئے تاآنکہ بیت ایل تک پہونچکر قدیم مرکزِ توحید کو نئے سر سے زندہ کیا۔

تعیین مصر | ہمارا دعوے ہے کہ مصر سے یہان پر صرف عرب کا شمالی ومغربی حصہ مراد ہے، کنعان سے جنوب بھی پڑتا ہے نہ مصر نیل، انسائیکلوپیڈیا مین لکھا ہے کہ اسیریا کے کتبون سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مصر سے صرف عرب کا شمالی ومغربی حصہ مراد ہے، اور بائبل مصر نیل کی طرف اشارہ کرتی ہے، اسلئے اس مسئلہ پر علما مین بہت بحث رہی، مگر بالآخر یہ تسلیم کرنا پڑا کہ بیشک مصر کا اطلاق عرب کے شمالی ومغربی حصہ پر ہوتا تھا، بعض اہل نظر ہر موقع پر یہی مراد لیتے ہین، مگر یہ تعمیم ٹھیک نہین ہے خلاصۃً، ہم یہ بھی نہین کہتے کہ بائبل مین ہر جگہ مصر سے عرب کا شمال ومغربی گوشہ مراد لینا چاہئے لیکن رحلت ابراہیمی مین جب ہم دیکھتے ہین کہ وہ کنعان سے نکلے اور مصر سے گذرتے ہوئے جنوب کی سمت مین برابر چلتے رہے تو مصر نیل جو بہت دُور مغرب کی طرف ہے، کیونکر مراد ہوسکتا ہے

بیت ایل | بیت ایل کا بیت المقدس کے پاس فلسطین مین ہونا جیسا کہ اہل کتاب کا دعوی ہے ہرگز صحیح نہین ہوسکتا، اور اسکے حسب ذیل وجوہ ہین،

(۱) یہود نے اولاً عرب مین قوت حاصل کی، اور آہستہ آہستہ شمال کے ممالک فتح کئے، حضرت داؤد کے زمانہ تک فلسطین مفتوح نہوا تھا، اور قوم یہود شمال ومغرب عرب مین پڑی رہی، جب فلسطین پر تسلط ہوگیا تو حضرت سلیمان نے وہان بیت المقدس بنایا، اسکے بعد یہود نے اسکی بزرگی ثابت کرنے کے لئے بہت سی روایتین اپنے صحف مین داخل کردین، یہود کی یہ عام عادت تھی کہ اشخاص اور مقامات کے نامون کے متعلق روایتین گھڑ لیا کرتے تھے اور قدیم نامون کو بدل کر نئے نام رکھدیتے تھے، چونکہ یہ روایتین مختلف زمانون مین مختلف مصنفین نے داخل کین ہین، انکا تناقض اور بے ربط ہونا بادنیٰ تامل ظاہر ہوجاتا ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی نسبت قصے داخل کردیئے گئے ہین کہ وہ بیرشبع سے سفر کرکے شمال مین گئے، اور بیت المقدس کے پاس بیت ایل مین آئے۔ انسائیکلوپیڈیا مین لکھا ہے کہ یہ تینون قصے غلط روایات سے ماخوذ ہین، اس زمانہ مین جو فلسطین کی حالت تھی اُسکے رُو سے

ہوکر آتا ہے، اور بالکل قریب آجاتا ہے تو ہیکل پر اسکی نگاہ پڑتی ہے" (خلاصۃً) پھر لکھتے ہین کہ ارسطالی نے
اپنی منقح راے اس طرح پر لکھی ہے،

"اپنے خیمے سے جو بیرسبع مین تھا، صبح کو حضرت ابراہیم روانہ ہوئے، اور اس
مقام کی طرف جسکا خدا نے حکم دیا تھا، چلے، یہ جگہ وہ نہین ہے جسکے یہود مدعی ہین کہ بیت المقدس کے
جبل موریا پر ہے، اور اس سے بھی زیادہ خلاف قیاس ہے جسکے نصاری مدعی ہین کہ قبر مقدس کے
پاس ہے، اور اس سے زیادہ خلاف قیاس ہے جسکے مسلمان مدعی ہین کہ جبل عرفات پر ہے،
جبل جرزیم زیادہ تر مذبح کی شکل پر ہے، غالباً یہی مذبح ابراہیمی ہی، جبل جرزیم پر سامری یہود کا معبد تھا
اور وہ مقام وسیع اور مسطح ہے، اس بنا پر ارسطالی کی راے ہی کہ موزون تر جگہ یہی ہوسکتی ہے،

عبارت بالاکا ماحصل حسب ذیل ہے،

(۱) عبرانی اور سامری یہود اور نصارے مذبح ابراہیمی کو مختلف مقامات پر قرار دیتے ہین،

(۲) یہود نے بیت المقدس کے جس پہاڑ کا نام موریا رکھدیا، نہ تو اسکا یہ پہلے نام تھا اور نہ
اس پر مذبح ابراہیمی کے صفات راست آتے ہین،

(۳) سامری یہود کا جبل جرزیم صرف اسلیئے مذبح ابراہیمی قرار دیا جاسکتا ہے کہ اُسکی شکل اُس
مقصد کے لئے بہ نسبت کوہ صیہون اور عرفات کے زیادہ موزون ہے،

(۴) مذبح ابراہیمی جس مقام پر ہو اسکے نام کے متعلق بائبل کے نسخون مین سخت اختلاف ہے،

امر اول اور دوم پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہین، امر سوم کے متعلق صرف یہ کہنا ہی کہ مذبح ابراہیمی کے
تعلق اور وسیع جگہ کی ضرورت نہین بتائی گئی، اور نہ یہ امر خود مذبح ہی کے لئے ضرور ہے اور نہ
صرف کوہ جرزیم پر صادق آتی ہے، رہا کوہ عرفات کا معاملہ تو مسلمان ہرگز یہ دعوی نہین کرتے،
اسلیئے اسکی تردید کی ہمین ضرورت نہین، امر چہارم کسی قدر تفصیل طلب ہے یعنی یہ دیکھنا کہ

اصل حقیقت کیا تھی، اور یہ اختلافات کیونکر پیدا ہوئے،

شبہہ ثانی پر نظر پہلے شبہہ کے جواب مین جو کچھ لکھا گیا اسکے بعد یہ شبہہ خود بخود رفع ہوجاتا ہے،
جب یہ ثابت ہوگیا کہ قربانگاہ خلیل جبل مروہ ہے جو بطحاء مکہ مین ہی تو اہل کتاب خود حضرت
اسحاق کا مکہ سے کوئی تعلق نہین مانتے، لیکن ہمارے دعوی پر اور بھی مستقل دلیلین ہین جنمین سے
بعض کو ہم مختصراً یہان لکھتے ہین،

(۱) بائبل مین بہ تصریح موجود ہے کہ حضرت ابراہیم کو اپنے اکلوتے لڑکے کو قربان کرنے کا
حکم ہوا، اور یہ بھی ہے کہ حضرت اسحاق کی پیدائش اسوقت ہوئی جب حضرت اسمعیل چودہ
سال کے ہوچکے تھے، اب حضرت اسحاق کیونکر اکلوتے ہوسکتے ہین،

(۲) بائبل مین تصریح موجود ہے کہ حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت جب حضرت
ابراہیم کو دی گئی تو اسی کے ساتھ اُنسے یہ بھی کہا گیا کہ انکی نسل بہت زیادہ ہوگی، اب یہ
کیونکر ممکن ہی کہ اُن سے پھر کہا جائے کہ انکو ذبح کردو، یہ کہنا بالکل فضول ہوگا کہ جب حضرت اسحاق
صاحب اولاد ہوچکے تو قربانی کا حکم دیا گیا، کیونکہ خود بائبل مین لکھا ہے کہ جب حضرت اسحاق کی
عمر ۶۰ برس کی ہوچکی تو اُنکا پہلا لڑکا پیدا ہوا، اور قربانی کے قصہ مین صاف موجود ہے کہ جو
قربانی کیا گیا وہ ہنوز کمسن بچہ تھا، قرآن مجید مین بھی ایسا ہی ہے،

حضرت اسمعیل کی اولاد کے نسبت جو برکت اور ترقی کی بشارت حضرت ابراہیم کو
ملی اسکے متعلق بائبل مین کہین نہین کہ وہ انکی پیدائش سے پہلے یا فوراً بعد پیدائش دیگئی بلکہ
قربانی واقع ہونیکے بعد ایک بشارت حضرت ابراہیم کو ان الفاظ مین دیگئی "مین اپنی
ذات کی قسم کھاتا ہون کہ چونکہ تو نے یہ کام کیا اور اپنے اکلوتے لڑکے کے دینے مین دریغ نہ کیا،
مین تجھکو بڑی برکت دونگا، اور تیری نسل کو آسمان کے تارون اور ساحل بحر کے ریگ کی شکل

بڑھاؤنگا، تیری نسل اپنے دشمنون کے دروازون کے وارث ہوگی، اور تمام ساکنانِ زمین اس سے برکت پائینگے، یہ اسلئے کہ تونے میرے حکم کو مانا[1]

اہل کتاب اس بشارت کو حضرت اسحاق کے حق مین سمجھتے ہین، حضرت اسحاق کی نسبت تو پہلے ہی بشارت ہوچکی تھی، اور بنی اسرائیل تو اپنے دشمنون کو خود اپنے دروازے سے نہ روک سکے، بارہا اسیر ہوکر بابل اور مصر مین پکڑ کر گئے، اور ہمیشہ انھین دشمنون نے کچلا، خیر یہ تو الگ بات ہے کہ یہ بشارت بنی اسرائیل پر ہرگز صادق نہین آئی، اور یہ اسی لڑکے کا حق ہے جو قربان کیا گیا، یہان صرف یہ دیکھنا ہے کہ قربانی سے پہلے جسکے متعلق کثرت نسل کی بشارت دیگئی ہو اسکے ذبح کرنے کا حکم نہین دیا جاسکتا،

(۳) بااین ہمہ کہ یہود کی مذہبی عبادات کا جزو اعظم محض قربانی ہے، مگر تمام بائبل مین کہین اسکو حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق کی یادگار قرار نہین دیا گیا، حضرت موسیٰ اسکے بانی ہین اور اسکی بنیاد یہ بتائی ہے کہ چونکہ خدا نے قوم فرعون کے تمام پہلی اولاد کو مار ڈالا، اسلئے تم اسکی شکریہ مین ہر پہلی پیداوار کو نذر کرو، انسان کے بدلے جانورون کو ذبح کرو، برخلاف اسکے ہمارے یہان حج فرض ہے، اور عرب مین ہمیشہ قائم رہا اور تمام مناسک حج مین سنت ابراہیمی کی یادگار قائم رکھی گئی، اسکے متعلق کسیقدر مزید تفصیل آگے آئیگی۔

شبہہ ہشتم پر نظر ہم تسلیم کرتے ہین کہ قرآن مجید کی حکایتین صحف یہود سے کہین کہین مخالف ہین مگر اس سے قرآن مجید پر بجائے شبہہ ہونیکے زیادہ اعتماد ہوتا ہے، ایک مدت دراز سے محققین اہل کتاب لکھتے تھے کہ صحفِ یہود پایۂ اعتبار سے ساقط ہین، مگر اس صدی مین جب مصر و بابل اور شام، اور بعض اطراف عرب مین قدیم کتبات نکلے، اور قرون متطاولہ کی

[1] تکوین ص ۱۲: ۱۶-۱۸-

تاریخ کا ایک نیا دروازہ کھلگیا تو بائبل کے ناقدین اور مقلدین مین بہت کچھ صلح ہوگئی، جہان ایک حد تک بائبل کی تصدیق ہوئی وہان یہ بھی مسلّم ہوگیا کہ اس موجودہ بائبل مین بہت ترمیم اور بے اصل واقعات کا اضافہ کیا گیا ہے، گویا بالکل ہمارے عقیدہ سے اتفاق کیا گیا ہم اصل بائبل کو مانتے ہین مگر اس امر کے قائل ہین کہ اس مین بہت کچھ تبدل اور تغیر ہوئے ہین اور اب حق اور باطل کی تمیز نہایت مشکل ہوگئی ہے،

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ قرآن مجید ان مہمل متناقض روایتون سے خالی ہے اور قصص یہود کے علاوہ جو تاریخی واقعات قرآن مجید مین ہین، اسکی تصدیق قدیم کتبات سے ہوتی ہے البتہ ہمارے یہان جو روایتین احادیث مین ہین وہ دو قسم کی ہین، کچھ تو خالص عربی الماخذ ہین، اور کچھ یہود سے ماخوذ ہین، جو یہود سے ماخوذ ہین وہ اکثر قابل اعتماد نہین، مگر جو خالص عربی ہین انکی بھی قدیم کتبات سے تصدیق ہوتی ہے، مثلاً لکھا ہے،

”عرب روایت کرتے ہین کہ فرعون یوسف عمالیق مین سے تھا، اور اسکا نام ریان بن ولید تھا،...... مصر مین ایک مجسمہ نکلا ہے جسپر تصویری حروف مین ریان لکھا تھا، اس بناپر ڈاکٹر رین اور مسٹر کوپ وائٹ ہاؤس کہتے ہین کہ یہ عربی روایت واقعات پر مبنی ہے“، یا مثلاً ہمارے یہان لکھا ہے کہ فرعون موسیٰ کی بیوی کا نام آسیہ تھا اور وہ مومنہ تھین، قدیم مصری کتبات سے بھی معلوم ہوا ہے کہ فرعون موسیٰ کی خاص بیوی کا نام آسیہ تھا، اور قومیت اور مذہب مین فرعون سے مختلف تھین،

ان شہادتون سے دو باتین ثابت ہوتی ہین، اول یہ کہ قرآن مجید کا ماخذ بائبل نہین بلکہ وہ خود مستقلاً واقعات کو بیان کرتا ہے، دوم یہ کہ بائبل سے اختلاف کرنے مین اُسپر کوئی اعتراض نہین پڑسکتا۔

فن منطق کی مختصر تاریخ

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دار المصنفین

منطق کو ہمارے علمی انجمنون مین جو درجہ حاصل ہے، اسکے لئے صرف اسیقدر کہنا کافی ہے کہ ابتک تمام درسگاہین اسکے عالمگیر اقتدار کے زیر اثر ہین، مدتون تک اسکا پڑھنا پڑھانا تمغائے علمیت اور نشان قابلیت سمجھا گیا ہے، اور آج بھی کہ فلسفۂ علمی (سائنس) کی طوفان خیز بادِ صرصر نے اُسکی شمعِ حیات بالکل گل کردی ہے، کبھی کبھی اس خاکستر سے دو چار چنگاریان اُڑتی ہوئی نظر آجاتی ہین۔

منطق یونانیون کا علم ہے، خاکِ یونان سے پیدا ہوا، اور اسی کی گود مین نشو و نما پائی، لیکن زمانۂ شباب کا اوج و عروج مسلمانون کی بدولت نصیب ہوا، ارسطو کے بعد سرزمین یونان کی آب و ہوا اسکو راس نہ آسکی، خلافتِ عباسیہ تک کامل گیارہ صدیان گذرگئی تھین، لیکن اس عرصہ مین صرف تین شخص ایسے پیدا ہوئے تھے، جنکو ماہرِ فن کہا جاسکتا ہے، اور وہ بھی موجد و موسس نہین بلکہ محض شارح اور مقلد تھے[1]۔

آغوشِ اسلام مین آتے ہی اُس نے از سرِ نو زندگی پائی، سینکڑون کتابین تصنیف ہوئین، مختلف مسائل اضافہ ہوئے، متعدد مباحث کی تردید ہوئی، اور بہت سی باتین ایجاد کی گئین، غرض اس پیمانہ پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا کہ چند صدیون مین منطق کا ایک دفتر بے پایان تیار ہوگیا۔

اس مقام پر یہ امر بھی لحاظ کے قابل ہے کہ مسلمانون کے پاس ارسطو کی کل کتابین

[1] طبقات الامم ابن صاعد صفحہ ۴۱۔

نہ تھین، بلکہ قیصر روم نے کتب خانہ سے کیف ما اتفق وہ ڈھیر نکلوا کر بھیجدیئے تھے، جسمین کچھ کتابین مکمل، باقی سب ناقص تھین، چنانچہ وزیر جمال الدین قفطی، اخبار الحکما مین لکھتے ہین[1]۔

ولما سیرت الکتب الی المامون جاء بعضها تاما وبعضها ناقصا، فالناقص منها ناقص الی الیوم لم یجد احد تمامہ،	مامون کے پاس جو کتابین آئی تھین، بعض کامل تھین اور بعض ناقص، جو ناقص تھین وہ ابتک ناتمام ہین اور اُنکے باقی اجزا کا آج تک پتہ نہین۔

یورپ کہتا ہے کہ مسلمان ارسطو کی گاڑی کے "قلی" تھے، لیکن واقعات کہتے ہین کہ قلی نہین بلکہ گاڑی نشین تھے، ارسطو کی تصنیفات کا زندہ کرنا، اُسکے نام کو حیات ابدی بخشنا، اُسکے مسائل کی ترویج و اشاعت کرنا، قلی گری نہین، بلکہ مسیحائی ہے، مسلمانون کی یہ عنایت نہوتی تو آج ارسطو کو کون جانتا؟ یورپ حکمت و فلسفہ کے نشہ مین آج ہمپر طعنہ زن ہے، لیکن شاید انکو وہ زمانہ یاد نہین جبکہ دنیائے عیسویت فلسفہ و منطق کا حاصل کرنا حرام مخصوص سمجھتی تھی، اور عقلیات سے آشنا ہونا کفر کا ہم پلہ شمار ہوتا تھا[2]۔

اسکے علاوہ مسلمانون نے ارسطو کی کورانہ تقلید کبھی نہین کی، فارابی اور ابن سینا جو خود ارسطو کے ہمپایہ تھے، کیا جا و بیجا اسکی تقلید کرسکتے تھے؟ ان اکابر کے ماسوا بہت سے بزرگ ارسطو کے علانیہ مخالف تھے، چنانچہ محمد بن زکریا رازی بھی انہین لوگون مین تھا، جسکی نسبت ابن صاعد اندلسی[3] نے لکھا ہے کہ

وکان شدید الانحراف عن ارسطاطالیس	وہ ارسطو سے سخت منحرف تھا۔

اسی طرح فقیہ **ابو محمد علی بن احمد اندلسی**، جو عبدالرحمن مستظہر باللہ کے وزیر تھے، منطق کے بعض اصول مین ارسطو سے اختلاف رائے رکھتے تھے، اور اپنی کتاب

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۴ [2] اخبار الحکما صفحہ ۲۳ [3] طبقات الامم صفحہ ۴۹۔

(تقریب) مین اسکو شرح وبسط سے بیان بھی کیا تھا[1]- ابن تیمیہ کی الرّد علی المنطق کے نام سے شاید بہت سے لوگ گوش آشنا ہون -

بہرحال یہ تو جملہ معترضہ تھا، اب دکھانا یہ ہے کہ منطق کی کیا حقیقت ہے؟ یونان مین اس علم نے کہان تک ترقی کی تھی، اور مسلمانون نے اس فن کے ساتھ کسقدر اعتنا کیا۔

منطق کی حقیقت

دنیاے علم مین اگرچہ علوم وفنون کی کثرت ہے تاہم مجموعی حیثیت سے علم کی دو قسمین کیجاسکتی ہین، بعض ایسے ہین جنکا تعلق کسی مخصوص زمانے، کسی خاص ضرورت، اور کسی محدود طبقہ سے ہوتا ہے، یہانتک کہ وہ زمانہ، ضرورت یا طبقہ معدوم ہو جائے تو خود علم بھی اسکے ساتھ اُٹھ جاتا ہے، اور بعض علوم ہر زمانہ، ہر وقت، اور ہر قوم سے یکسان مناسبت رکھتے ہین، اُنکی زندگی اسوقت تک باقی ہے، جب تک کہ دنیا کا کالبدِ خاکی نفس حیات کی آمد ورفت سے تنوع دگوناگونی کا تماشا گاہ بنا ہوا ہے،

یہ علوم "حکمت" کہلاتے ہین، لیکن اِن مین بھی سب کی حیثیت برابر نہین، بعض بیخ وبنیاد کا درجہ رکھتے ہین، بعضون کو صرف توابع اور فروع کہا جاسکتا ہے، مثلاً طب، فلاحت یا علم نجوم کی بعض جزئی باتین، جنکا ذکر چندان ضروری نہین -

لیکن ہمارا مطمحِ نظر وہ علوم ہین جو ایوان دانش کے عمود واساطین ہین، ان مختلف علوم حکمیہ کا مقصدِ واحد، باوجود اختلاف موضوع ومباحث صرف یہ ہے کہ کائنات اور اشیائے کائنات کے حالات، خصائص، اور اُنکی مختلف کیفیتین معلوم ہون، لیکن ہمکو سب سے پہلے ایک اور فن کی ضرورت ہے جو ہمکو یہ بتائے کہ ہم کیونکر ان مختلف چیزون کا صحیح طریقہ سے علم حاصل کر سکتے ہین، اور ہمکو اپنے علوم اور استنباطات کی صحت کا معیار

[1] طبقات الامم صفحہ ۱۱۸-

کیونکر معلوم ہو -

اسی ضروری فن کو منطق کہتے ہین، جو دنیا کی تمام انسانی آبادی کی سرشت مین ازل سے فطرت نے ودیعت کر دی ہے -

سید شریف جرجانی نے منطق کی یہ تعریف کی ہے "منطق ایک ایسے طریقہ قوانین کا نام ہے، جنکی رعایت سے ذہن انسانی خطائے فکری سے محفوظ رہتا ہے" کتاب النقش علی الحجر مین اس سے زیادہ واضح تعریف منقول ہے اور وہ یہ ہے، "وہ ایک آلہ ہے جسکے خیال رکھنے سے انسان خطائے فکری سے محفوظ ہو جاتا ہے اور بحث کے وقت صحیح راستہ پر عقل کی قوتون کو مجتمع رکھ سکتا ہے، اس لحاظ سے اُسکا دوسرا نام علم آلی بھی ہے -

جیساکہ علوم کی تقسیم، منطق کی تعریف اور اسکی غرض وغایت سے ظاہر ہوتا ہے، یہ علم نہایت قدیم اور اسکا وجود انسان کی آفرینش سے وابستہ تھا، کیونکہ استدلال اور اثباتِ مدعا کے طریقے ہر زمانہ اور ہر قوم مین موجود تھے، یہ اور بات ہے کہ ان جزئیات اور نظریات کے لیے کوئی مربوط اور مستقل نظام نہ پیدا ہوا تھا -

خود اس علم کے اصلی مبدء ومنشا (یونان) کے بہت سے فلسفی، دلائل وبراہین کی ترتیب، اندازِ استدلال، اور کشفِ حقایق کے اسلوب سے کسی قدر واقفیت رکھتے تھے، فرق اسقدر تھا کہ اُنکے جملے منتشر، غیر مہذب اور بے ترتیب ہوتے تھے[1] -

منطق کی ترتیب اور حکیم ارسطاطالیس

حکیم ارسطاطالیس نے انھین جزئیات کو ایک خاص وضع سے مرتب اور ان تمام متفرقات کو یکجا اور مجتمع کر دیا تو تمام دنیا اُسکو معلم اول کے

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۳۵ -

پر فخر لقب سے پکارنے لگی، حالانکہ اسکا کام صرف اس فن کی تہذیب و ترتیب تھا، نہ کہ ایجاد و وضع،

معلم اول نے فن کی تہذیب و ترتیب کے بعد وہ مشہور و معروف کتاب لکھی جو کتاب النص کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب آٹھ اجزار پر تقسیم ہے، جنمین مین سے چار مین صورتِ قیاس اور چار مین اسکے مادّہ سے بحث کیگئی ہے، اسکا ہر جزر کتاب کے نام سے موسوم ہے -

۱- پہلی کتاب جو مقولات کے نام سے مشہور ہے، اُن اجناس عالیہ کے بیان مین ہے جہان پہونچکر محسوسات مجرد ہو جاتے ہین، اسکا نام قاطیغوریاس تھا -

۲- قضایا تصدیقیہ پر ہے، اور کتاب العبارہ یا کتاب التصدیق (باری ارمیناس) کہلاتی ہے

۳- کتاب القیاس، (انا لوطیقی الاول) قیاس اور اسکی تحلیل کردہ صورتون پر -

۴- کتاب البرہان (ابودیقطیقا) اس برہان کے بیان مین ہے، جس سے یقین تک انسان پہونچ سکتا ہے،

۵- کتاب الجدل (طوبیقا) اس مین مجادلہ کے فیصل کرنے کے قواعد ہین -

۶- کتاب السفسطہ (سوفسطیقا) سفسطہ وہ قیاس ہے جو حق کے پردہ مین باطل تک پہنچاتا ہے، یہ کتاب اسلئے لکھی گئی ہے کہ مناظرہ کرنے والا فریب سے محفوظ رہ سکے،

۷- کتاب الخطابۃ، (ریطوریقا) یعنی فنِ تقریر و خطابت -

۸- کتاب الشعر، (ابوطیقا) فنِ شاعری -

صحیفۂ منطق کے یہ وہ ابواب ہین، جنکو قدمائے یونان نے ایجاد اور ارسطو نے مدون کیا تھا[1]

[1] کتاب النفس یا منطق ارسطو طلی و اخبار الحکما صفحہ ۲۶ و مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۳۰ -

فلاسفۂ یونان کا اضافہ ارسطو کے بعد یونان کے بعض فلیسفون نے کتاب البرہان کو ناکافی سمجھکر، کتاب الکلیات الخمس تحریر کی، کتاب البرہان مین یہ نقص تھا کہ صرف قیاس اور حدود (تعریفات) کے اجزار سے اس مین بحث تھی، لیکن ان اجزار کی ماہیت اور حقیقت کا کوسون پتہ نہ تھا، کلیات الخمس نے اس کمی کی تلافی کردی، اس مین ماہیت کے ساتھ اجزار کی کیفیت ترتیب کو بھی کھول کھول کر بیان کیا گیا تھا -

اس جدید اضافہ سے منطق کی کتابین ۸ کے بجاے ۹ ہوگئین[1] -

شارحین کا دور اب ان کتابون کی ہر جگہ مانگ تھی، ارسطو کی برکت سے منطق و فلسفہ کا حامی ایک بڑا گروہ پیدا ہوگیا تھا، یونان، مصر، روم کی آب و ہوا مین علوم عقلیہ سرایت کر گئے تھے، اس بنا پر لوگون کو اُنکی تفسیر و تشریح کا خیال پیدا ہوا، فرفوریوس، اصطفن لیس، یحیی بطریق اسکندریہ، امونیوس، تامسطیوس، ثاؤفرسطس، سبنلیقیوس، تباؤن نے قاطیغوریاس کی شرحین لکھین، الیلنحس نے اسکے ایک حصہ کی نہایت عجیب و غریب تفسیر کی، افرودیسی (اسکندر) نے ۳۰۰ ورق مین ایک شرح تیار کی، غرض سریانی اور بعض دوسری زبانون مین تمام کتابون کا ترجمہ اور شرحین لکھی گئین[2] -

مسلمان اور منطق تیسری صدی ہجری مین مسلمانونکی عنان توجہ اسطرف منعطف ہوئی، اس سے پیشتر انکو ادہر توجہ ہونے کا کوئی موقع نہ تھا، عہدِ رسالت، عصرِ صحابہ، دورِ خلفار، تمام تر اشاعتِ اسلام، اعلار کلمۃ الحق، اور تاسیسِ خلافتِ الٰہی مین بسر ہوئے، بنی اُمیہ کے زمانۂ حکومت مین جب آفاقِ عالم پر اسلام کا پرچم لہرایا، اور باہمی خرخشون سے ایک گونہ نجات حاصل ہوئی، تو فنونِ حکمت کے تراجم کا سنگ بنیاد رکھا گیا، لیکن آلِ عباس کے

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۳۰ - [2] اخبار الحکمار صفحہ ۲۶ و ۲۷ -

دعوائے خلافت نے بہت جلد سلطنت امیہ کے پرخچے اڑا دیئے، اور خود افسر و دیہیم کے مالک بن کر خلافت اسلامیہ پر قبضہ کرلیا،

خلفائے عباسیہ مین علوم وفنون کا موروثی ذوق تھا، حضرت ابن عباس جو صحابہ مین دریائے علم کہلاتے تھے، ان کے جدامجد تھے، اس بناپر علم وفن کی قدرشناسی اس خاندان کا خاص شعار تھی۔

خلیفہ مامون جو اس خاندان کا ساتوان تاجدار تھا، فنون ومعارف کی قدردانی مین ضرب المثل تھا، علم منطق کی کتابون کا ترجمہ کرانا اسی خلیفہ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اس داستان کی تمہید عجیب دلچسپ ہے، ایک رات خواب مین دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پرجلوہ فرماہے، مامون نے قریب جاکر پوچھا "آپ کا اسم مبارک" تخت نشین نے کہا "ارسطو" مامون پرخوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، پھر عرض کیا کہ "دنیا مین کیا چیز اچھی ہے" ارسطو نے جواب دیا "جسکو عقل اچھا کہے" دوبارہ مامون نے درخواست کی کہ "مجھکو کوئی نصیحت ارشاد ہو" جواب ملا کہ "توحید اور صحبت نیک ہاتھ[1] سے نہ دینا"۔

صبح اٹھکر ارسطو کی کتابون کا شوق پیدا ہوا، بلاد اسلام ان خزانون سے بالکل خالی تھے، قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جسقدر کتابین مل سکین دارالسلام روانہ کردو، اس نے ایک ہیکل سے جسمین فلاسفۂ یونان کی کتابین مقفل تھین، پانچ گٹھے نکلواکر بھیجین، مامون دیکھکر نہایت خوش ہوا، اور حنین بن اسحاق، اور ثابت بن قرہ وغیرہ کو حکم دیا کہ ان کتابون کو عربی کے قالب[2] مین منتقل کردین۔

[1] اخبار الحکما صفحہ ۲۴۳ - [2] کتاب مذکور صفحہ ۲۴۳ و ۲۴ -

مترجمین نے نہایت ذوق وشوق سے ترجمے کئے، لیکن دقت یہ تھی کہ فن کی اصطلاحون سے عربی زبان کی جھولی بالکل خالی تھی، اس بناپر طرز ادا اور طریقۂ تعبیر مین قدم قدم پر ٹھوکر کھانا پڑتی تھی، اسکے ماسوا یونانی زبان پر ان مین سے کسی کو بھی کامل عبور نہ تھا، اسلئے جو ترجمے ہوئے ناقص اور باہم سخت مختلف تھے،

چوتھی صدی ہجری مین منصور بن نوح سامانی کی درخواست پر حکیم ابونصر فارابی نے کہ یونان کے علوم مین مہارت تامہ رکھتا تھا، ملخص کیا، اور اس صلہ مین علم منطق کے معلم ثانی بننے کی عزت حاصل کی[1]۔

حکیم ابونصر فارابی

معلم ثانی نے معلم اول کی کتابون کو خلعت وجود پہنانے کے ساتھ انکی اسرار وغوامض کی تشریح وتوضیح پر خاص توجہ کی، زبان نہایت شستہ اور صاف پائی تھی، طرز تعبیر مین اس سے بہتر ایک شخص بھی نہ تھا، اسلئے اس نے ارسطو کی کتابون کی نہایت مفصل اور بسیط شرحین لکھین، جو اس فن کی سب سے بہتر کتابین ثابت ہوئین۔

اس نے بہت سے مفید رسالے بھی تحریر کئے، مثلاً کتاب فیس لہ النسبۃ الے صناعۃ المنطق، یا کتاب التوطئۃ فی المنطق، ان فلسفیانہ اور حکیمانہ رسالون کی مدد سے طالبان منطق نے ارتقاء کے ابتدائی مراحل خود بخود طے کرلئے۔

فارابی کی منطقی تصنیفات حسب ذیل ہین۔

(۱) کتاب البرہان،

(۲) کتاب القیاس الصغیر،

[1] مقدمہ کتاب التعلیم بدرالدین حلبی صفحہ ۲۷ -

(۳) کتاب الاوسط

(۴) کتاب الجدل

(۵) کتاب المختصر الصغیر

(۶) کتاب المختصر الکبیر

(۷) کتاب شرائط البرہان

(۸) کتاب الخطابہ

(۹) کتاب المغالطین

حسب ذیل شرحین لکھین۔

(۱۰) کتاب شرح البرہان لارسطو،

(۱۱) کتاب شرح الخطابہ

(۱۲) کتاب شرح المغالطہ

(۱۳) کتاب شرح القیاس — مفصّل ہے،

(۱۴) کتاب شرح المقولات — تعلیق ہے،

(۱۵) کتاب شرح باریرمینیاس — کتاب الخطابہ کے شروع مین ہے۔

(۱۶) کتاب شرح العبارۃ

انکے ماسوا کتاب تعلیق ایساغوجی[17] علے فرفوریوس، کتاب الرد[18] علے الرازی تصنیف
مین، قاطیغوریاس[19] کے مشکل اور پیچیدہ مقامات پر بھی ایک رسالہ تحریر کیا تھا[؎]،
لیکن ان تمام کتابون کے بیضہ ہونے کی نوبت نہ آئی، ابونصر تصنیف و تالیف کا

؎ ابن خلکان صفحہ ۵۰۰ جلد ۲ و اخبار الحکما صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴، و مختصر الدول صفحہ ۲۰۵ لابن عبری۔

مرد میدان تھا، لیکن نشر و اشاعت کی ہمت نہایت کوتاہ تھی، وہ سیر و سیاحت کا عادی تھا
اور ہمیشہ شہر بہ شہر پھرا کرتا تھا، اس بنا پر اسکے یہ جواہر پارے سلطان مسعود کے زمانہ تک
صفہان کے دار الکتب "صوان الحکمۃ" کی زیب و زینت کا باعث رہے[؎]،
سلطان مسعود نے شیخ الرئیس ابن سینا کو اپنا وزیر بنایا تھا، اُس نے
اس کتب خانہ سے ابونصر کی کتابین برآمد کین، اور اپنی کل مصنفات اُن سے اقتباس
کرکے لکھین[؎]،

شیخ الرئیس ابن سینا

ابن سینا کو منطق و فلسفہ سے قدرتی مناسبت تھی، چنانچہ ایساغوجی جب
جلس کی تعریف پڑہی، تو نہایت متعجب ہوا، اور اس عجیب و غریب تعریف پر غور و فکر کی
نظر ڈالی، وہ خود لکھتا ہے کہ مین استاد سے زیادہ خود سمجھتا تھا، وہ محض معمولی اور سطحی
باتین بتاتا تھا، دقائق و رموز فن کی اُسکو مطلق خبر نہ تھی[؎]،

کتب متداولہ اور شروح سے فارغ ہوا تو منطق کا بہترین ماہر تھا، اسی زمانہ مین
خوش قسمتی سے صفہان کے کتب خانہ پر دسترس حاصل ہوئی، یہ نایاب کتبخانہ جسید رحمہ کا
تھا اُسکی کیفیت ابن سینا نے یون بیان کی ہے کہ "اس مین ہر فن کی مشہور اور معدوم المثل
کتابین جمع تھین، اور بعض ایسی کتابین تھین جنکے نام سے بھی کان آشنا نہ تھے"
اُس نے قدما کے علوم و فنون کی تلخیص شروع کی، اور اس طرح کل کتب خانہ کا
ست اپنی بیاض مین کھینچ لیا، اتفاق یہ کہ اسی زمانہ مین یہ کتب خانہ آگ کے نذر ہوگیا،
اب ان تمام علوم کا ابن سینا بلا شرکت غیرے محافظ اور مالک تھا[؎]۔

ابن سینا بڑے پایہ کا شخص گذرا ہے، منطق مین اسکا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ

؎ مقدمہ کتاب التعلیم صفحہ ۲۷ ؎ حوالہ سابق صفحہ ۲۸ - ؎ منطق المشرقیین بروایۃ جوزجانی
تلمیذ ابن سینا، و ابن خلکان صفحہ ۲۷۲ جلد ۱ - ؎ ابن خلکان صفحہ ۲۷۲ جلد ۱ -

تمام دقیق اور پیچیدہ مسائل کو اس نے پھیلا کر نہایت تفصیل سے لکھا، اور شرطیات کی بحث اضافہ کی، اس نے اس فن کی مختلف اہم خدمات انجام دین، ایک مضمون الاشارہ الی علم المنطق کے نام سے لکھا، ایک رسالہ مین قاطیغوریاس کی غایت و غرض پر روشنی ڈالی، اور ایک رسالہ خاص اس موضوع پر تحریر کیا کہ زید کا علم عمرو کے علم سے جداگانہ ہے،

اسی طرح مختلف رسائل و کتب اسکے پُرزور قلم سے نکلے، جنکے نام یہ ہین،

(۱) منطقیات شفار

(۲) المختصر الاصغر، اسکو النجاۃ کے ابتدا مین لگایا، اسکا ایک نسخہ شیراز پہونچا، تو وہان کے اہل علم نے کچھ شبہے پیدا کئے، اور ایک رسالہ لکھکر ابن سینا کے پاس بھجوایا، ابن سینا نے صرف ایک رات مین بیٹھکر سرسری طور پر جواب لکھدیا، تو تمام ارباب فن دنگ رہ گئے۔

(۳) المختصر الاوسط، ایک جلد ہے، ابو محمد شیرازی کے لئے جرجان مین لکھی،

(۴) الموجز الکبیر،

(۵) المنطق بالشعر،

(۶) مفاتیح الخزائن،

(۷) تعقب المواضع الجدلیۃ، ایک مضمون ہے،

لیکن ان سب مین بہتر قصیدہ مزدوجہ اور منطق المشرقین ہے، اول الذکر نظم ہے اور ۱۸ صفحات پر ختم ہوا ہے، اس مین جدا جدا عنوانون کے تحت مین منطق کے تمام

مسائل مہمہ اس خوبی سے بیان کئے ہین کہ یہ سنگلاخ اور دشوار گذار گھاٹی نہایت ہموار سڑک بنگئی ہے، یہ قصیدہ اپنے بھائی "علی" کے لئے لکھا، اور رئیس ابوالحسن سہل بن محمد سہلی (کرکانج) کے نام پر معنون کیا تھا، عنوان حسب ذیل ہین،

(۱) الفاظ مفردہ، (۲) الفاظ خمسہ، (۳) مقولات عشر، (۴) قضایا، (۵) نقیض، (۶) عکس، (۷) قیاس، (۸) قیاس شرطی، (۹) استقرار، (۱۰) تمثیل، (۱۱) مواد مقدمات، (۱۲) برہان، (۱۳) مطالب، (۱۴) جدل، خطابت، شعر، مغالطہ (۱۵) حد۔

منطق المشرقین، اس فن کی تمام کتابون سے بہتر ہے، کتاب کی شان و عظمت مصنف کی تحریر سے معلوم ہوسکتی ہے، وہ لکھتا ہے،

وانما جعلنا هذا الكتاب لنظهره الا لانفسنا اعنی الذین یقومون منا مقام انفسنا واما العامة من مزاولی هذا الشان فقد اعطيناهم فی كتاب الشفاء ما هو كثير لهم و فوق حاجتهم

یعنی ہم نے اس کتاب کو اپنے لوگون کے لئے لکھا ہے، باقی عام لوگ تو انکے لئے شفا کافی اور ضرورت سے زیادہ ہے،

اس کتاب مین اس نے اضافات اور مباحث سے علیحدہ ہوکر خالص علم اور امہات مسائل درج کئے ہین، انداز بیان نہایت سادہ اور دلکش ہے، اور اہم سے اہم مسئلہ نہایت دلنشین پیرایہ مین بیان کردیا ہے، مثلاً مقدمات تصور مین لکھتا ہے،

جو چیزین ہمارے وہم اور ذہن مین آتی ہین، انکے تصور کے لئے بیشتر انکی مثال کا ذہن مین آنا ضروری ہے، اور اسوقت دو صورتین ہین، یا تو وہ صرف تصور تک محدود ہونگی، یا تصدیق کا بھی تعلق ہوگا، جس تصور کے ساتھ تصدیق ہو اسکی مثال "انسان" کا

لہ منطق المشرقین صفحہ ۴۔

نفظ ہے، یا "حیوانِ ناطق مائت"، یا کیا ہم چلین ؟" اور جسکے ساتھ تصدیق ہو، اُسکی مثال "چار کا عدد جفت ہے" بشرطیکہ ہم اسکو تسلیم بھی کرتے ہون، کیونکہ تسلیم کے ساتھ تصدیق ضروری چیز ہے، اس لحاظ سے تصور کے ساتھ تصدیق کا پیدا ہونا لازم ہے فرق یہ ہے کہ تصور پہلے اور تصدیق بعد مین ہوتی ہے، اگرچہ بسا اوقات تصور تصدیق سے خالی بھی ہوتا ہے[1]،

حد کا بیان نہایت تفصیل سے لکھا ہے، اور اصل یہ ہے کہ ان چند ورقون مین جو باتین معلوم ہوتی ہین، منطق کی کتابون کے ہزارون ورق اُلٹنے سے بھی نہین معلوم ہو سکتین، لیکن چونکہ وہ بجائے خود کئی صفحہ کا ہے، ہم طوالت کے خیال سے نظرانداز کرتے ہین

ابن سینا کے بعد ابن رُشد نے بھی اس علم کو معتد بہ فائدہ پہونچایا، اور کتب ارسطو کی تلخیص[2] و تشریح کی، چنانچہ ان کتابون کے نام حسب ذیل ہین،

(۱) تلخیص کتابِ ارسطو، (۲) شرح کتاب القیاس (۳) مقالۃ فی القیاس،

(۴) تلخیص کتاب البرہان، (۵) المسائل الّتی علے کتاب البرہان، (۶) کتاب الضروری،

(۷) ارسطو اور فارابی کی موجودہ منطقی تصنیفات کا موازنہ، اور باہم اختلاف کیطرف اشارہ بر ایک کتاب

(۸) فارابی نے کتاب البرہان کی ترتیب اور برہان و حد کے قوانین مین ارسطو سے جو مخالفت کی، اُسکے بیان مین ایک رسالہ،

(۹) فارابی کے اس قول "والجنس والفصل یشترکان" پر بحث[3]،

---

[1] منطق المشرقین صفحہ ۹ [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۳۰، [3] ابن رشد و فلسفہ صفحہ ۲۹ و ۳۰ تا الیفہ فرح انطون

باب التربیۃ والتعلیم

التربیۃ الاستقلالیہ

فن تعلیم و تربیت کے کچھ اسباق

(۱)

از مولانا عبدالسلام ندوی

انسان کے قوائے فطریہ کی نشو و نما اور قوم کی ترقی کا تمامتر دار و مدار تعلیم و تربیت پر ہے، اسلئے تمام متمدن قومون نے طریقۂ تعلیم و تربیت کیطرف خاص طور پر توجہ کی ہے، اور اسکے آئین و اصول مقرر کئے ہین، قدیم زمانہ مین یونانیون نے اُسکو ایک مستقل فن بنا دیا تھا جسکا اصطلاحی نام بیڈاگوجی تھا۔

مسلمانون نے اپنے دور ترقی مین اس فن کے ساتھ خاص طور پر اعتنا کیا، اور امام ابوحنیفہ، قاضی ابن عبدالبر، ابومحمد بن ابی زید، علامہ سیوطی، شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمن المقدسی نے اسپر مستقل کتابین لکھین، ان بزرگون کے علاوہ امام غزالی نے احیاء العلوم مین اس موضوع کے لئے ایک خاص باب باندھا، اور علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین اسپر نہایت تفصیلی بحث کی، مسلمانون نے فن تعلیم و تربیت کے جو اصول و قواعد مقرر کئے تھے اُنکی تفصیل ایک مستقل مضمون کی محتاج ہے، تاہم علامہ ابن خلدون نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

(۱) نصاب تعلیم مین ایک فن کی متعدد کتابین اور اُنکی متعدد حواشی و شروح کا داخل کرنا طلباء کے لئے سخت مضر، اور تکرار غیر مفید و تحصیل حاصل ہے۔

(۲) اسکے بالکل برعکس نہایت مختصر اور متعلق کتابین بھی تعلیم کے لئے سخت مضر ہین،

(۳) طلبار کے لئے بہترین طریقہ تعلیم یہ ہے کہ اس مین انکی عقل و استعداد کے موافق بتدریج ترقی کیجائے، پہلے سادہ طور پر اجمالاً ہر فن کے مسائل بتائے جائین، اسطرح طالب العلم مین نفس فن کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو تفصیل کے ساتھ ہر مسئلہ کو سمجھایا جائے، اور اختلاف وغیرہ کی بھی تشریح کیجائے، اس طرح جب نفس فن پر عبور ہو جائے تو دقیق اور اہم مسائل کی تعلیم دیجائے۔

(۴) تمام قوائے فطریہ کی طرح انسان مین غور و فکر کی قوت بھی فطری ہی، تدوین منطق کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس فطری قوت کو لغزشون سے محفوظ رکھے، لیکن بجائے خود وہ ایک کسبی اور مصنوعی چیز ہے، اُسکے ساتھ منطق کا سیکھنا متعدد چیزون پر موقوف ہے، پہلے انسان کو الفاظ معلوم ہونے چاہئین، الفاظ کے طرق دلالت سے واقفیت حاصل ہونی چاہیے، صغرے و کبرے کی ترتیب کے قواعد کا طریقہ معلوم ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ، لیکن یہ تمام مقدمات بجائے خود اسقدر پیچیدہ ہین کہ انسان خود انھی کے پھندے مین اُلجھ کر رہجاتا ہے، اِسلئے طالب العلم کا پہلا فرض یہ ہے کہ جب وہ کسی نتیجہ کو حاصل کرنا چاہے یا اسکے دل مین اعتراضات و مناقشات پیدا ہون تو وہ سب سے پہلے اپنی طبعی فکر کیطرف رجوع کرے، اور اُسکے بعد جو نتیجہ نکلے اسکو قیاسات منطقیہ کی معیار پر پرکھے، پھر اُسکو واضح الدلالۃ الفاظ کی قالب مین نمایان کرے، اِسکے بخلاف اگر ابتداہی سے قیاسات منطقیہ کو حصول مطلوب کا ذریعہ قرار دے لیا جائے جیسا کہ متاخرین کرتے ہین، تو شبہہ مین شبہہ پیدا ہوتا ہے، اور انسان کی فطری قابلیتین بالکل بیکار ہو جاتی ہین۔

(۵) علوم کی دو قسمین ہین، ایک وہ علم ہے جو مقصود بالذات ہوتا ہے، مثلاً تفسیر حدیث، فقہ، کلام، طبیعات، الٓہیات، ادب وغیرہ، دوسرے وہ خود مقصود بالذات نہین، بلکہ دوسرے علم کی تحصیل کے لئے ذریعہ و وسیلہ کا کام دیتے ہین، مثلاً نحو کا مقصد یہ ہے کہ اس سے انسان کو فنِ ادب آ جائے، یا منطق کی غرض یہ ہے کہ وہ فلسفہ کی تحصیل مین معاون ہو، ان دونون قسمون مین دوسرے قسم کے علوم کی تحصیل مین صرف اسقدر کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ جس علم کا ذریعہ ہے اُسکی تحصیل مین مدد دے سکے، لیکن اگر اسکو مقصود بالذات قرار دے لیا جائے اور تمام کوشش اسکی تحصیل مین صرف کردیجائے، تو بالکل قلب موضوع ہو جائیگا، اور مقصود بالذات علوم کی تحصیل مین خلل واقع ہوگا۔

(۶) تعلیم مین جبر و استبداد سے ہرگز کام نہ لینا چاہیے، یہ ایک ایسی چیز ہے کہ طالبعلم کے نشاط و انبساط فطری کو بالکل برباد کردیتی ہے، اُسکو کسلمندی، بد باطنی، اور خدع و فریب کیطرف مائل کرتی ہے، یہانتک کہ رفتہ رفتہ یہ بد اخلاقیان طالب العلم کی فطرت بنجاتی ہین، کیونکہ جھوٹ کمزور کا سب سے بڑا آلہ ہے، اور وہ خوف کے موقع پر صرف اسی سپر سے کام لیتا ہے، یہودی سخت خبیث الطبع اور خداع مشہور ہین، لیکن یہ بد اخلاقی اُن مین اسی طریقہ تعلیم نے پیدا کی ہے، ابو محمد بن ابی زید نے اپنی کتاب مین لکھا ہی کہ طالبعلم کو کبھی تین کوڑے سے زیادہ نہین مارنا چاہیئے، حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جسکو شریعت ادب نہ دیسکی، خدا اسکو ادب نہ دے، اس فقرے کا مطلب یہ ہی کہ شریعت نے تعزیر و عقوبت کی جو حد مقرر کردی ہے، وہ انسان کی بصیرت کے لئے کافی ہے، اس سے زیادہ تادیب انسان کی تذلیل و تحقیر ہے، ہارون رشید نے جب اپنے بیٹے امین کو استاد کی امانت مین دیا تو خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ اسکو تکلیف دیکر کوئی بات نہ سکھاؤ کہ اسکا ذہن مُردہ ہو جائے، جہانتک ہو سکے لطف و مراعات کے ساتھ اُسکی

تادیب کرو، البتہ اگر اس طریقہ سے کام نہ نکلے تو سختی سے پیش آؤ۔

(۷) کمالات علمیہ کے حاصل کرنے کے لئے سفر لازمی چیز ہے، اور اس سے ملکۂ علمیہ نہایت راسخ اور مستحکم ہو جاتا ہے،

"یہ ایک نہایت عجیب بات ہے کہ انسان ہمیشہ صحیح راستہ اسوقت پاتا ہے جب تمام دنیا گمراہی مین بھٹکتی پھرتی ہے، انسان ادب اُسوقت سیکھتا ہے جب تمام لوگ بے ادب ہو جاتے ہین، شیخ سعدی نے ایک حکیم کی زبان سے یہی نکتہ دنیا کو سمجھایا ہے کہ "ادب از کہ آموختی گفت از بے ادبان" انسان نے سیاستِ مدن، سیاستِ منزلی، اور فلسفۂ اخلاق کے اصول اُسوقت قائم کئے ہین جب عملاً ان تمام چیزون کا نظام خراب ہو چکا تھا" علامۂ ابن خلدون نے جس زمانہ مین تعلیم و تربیت کے یہ اصول قائم کئے ہین، اُسکی نسبت بھی اُنکو شکایت ہے کہ اس زمانے مین بالکل اِن اصول کے برعکس عمل کیا جاتا ہے، لیکن اگر ابن خلدون کو اپنے زمانہ کے نظام تعلیم کی شکایت تھی تو کیا ہمکو صرف شکایت ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے؟ نہین بلکہ تمام مدرسون کے ہال مین ایک حلقۂ ماتم قائم کرنا چاہیئے، اور اپنے زمانے کی علمی حالت کا مرثیہ نہایت سوز و گداز کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔

یورپ مین فن تعلیم و تربیت کو جن منزلون سے گذرنا پڑا ہے، اُسکے متعلق جو مختلف نظریات قائم ہوئے ہین، اس نے جو تدریجی ترقیان کی ہین، اور موجودہ زمانہ مین اُسکی جو حالت ہے اُسکی تاریخ نہایت دلچسپ ہے، قرون وسطیٰ مین یورپ کا نظام تعلیم و تربیت تمامتر پادریون کے ہاتھ مین تھا، ان مربیون نے طالبعلمون کی تمام شخصی خصوصیتین فنا کر دی تھین، اور انکے ارادہ و اختیار کی باگ اپنے ہاتھ مین

لیلی تھی، چند موروثی اور قدیم عقاید تھے جنکی تعلیم دیجاتی تھی، اور انکو تقلیداً طالب العلم سے منوایا جاتا تھا، وہ بذاتِ خود کوئی چیز نہ تھا جو کچھ دیکھتا تھا پادریون کی آنکھ سے دیکھتا تھا اور جو کچھ سنتا تھا اُنھی کے کان سے سنتا تھا، آج یورپ کے قدیم جمود و تعصب کی جو شکایت کیجاتی ہے، وہ اسی طریقۂ تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی، یورپ مین یہ نظام تعلیم پندرہوین صدی تک قائم رہا، لیکن پندرہوین صدی کے بعد ایک عظیم الشان انقلاب یورپ مین پیدا ہوا، اور جو قدم جہالت کی تاریکی مین پیچھے پڑتے تھے، اب آگے بڑھنے لگے، اسلیئے قدرتی طور پر تمام چیزون کے ساتھ ساتھ نظام تعلیم و تربیت مین بھی ترقی ہوئی، اور علماء نے فنِ تعلیم و تربیت کیطرف خاص توجہ مبذول کی۔ اور اس موضوع پر متعدد کتابین لکھین، لیکن یہ شخصی سلطنت کا زمانہ تھا، اسلیئے یہ فن بھی بالکل اسی قالب مین ڈھل گیا، اور جو کچھ لکھا گیا وہ صرف شاہی خاندان کے بچون کی تعلیم و تربیت کے ساتھ مخصوص تھا، اسکے بعد جان جاک روشو نے فن تربیتِ اطفال پر ایک مستقل کتاب لکھی، جسکا نام "اٹھارہوین صدی کا امیل" ہے، اس کتاب مین اُس نے شاہی خاندان کی خصوصیت کو نظر انداز کر دیا، اور عام طور پر بچون کی تعلیم و تربیت سے بحث کی، روشو نے اصول تربیت کے متعلق جو نظریہ قائم کیا، اسکا خلاصہ دو لفظون مین بیان کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ "بچون کو بالکل اصول فطرت کے مطابق تعلیم و تربیت دینی چاہیئے، اور اُنکے ساتھ عقلاء کی طرح برتاؤ کرنا چاہیئے" روشو کے بعد انیسوین صدی مین نیسالوزی نے جو سوئٹزرلینڈ کا رہنے والا تھا، غریب اور محتاج بچون کی تعلیم و تربیت پر متعدد کتابین لکھین، اور اس زمانے سے یہ ذوق اسقدر عام ہو گیا کہ تمام اطباء نے اپنی کتابون مین اس موضوع کے لیے مستقل ابواب و فصول

قائم کئے، اور تربیت اطفال پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی۔

یہ موضوع ابتدا ہی سے جامع الحیثیات تھا یعنی اُسکا تعلق بچون کی جسمانی، اخلاقی، اور عقلی قوار کے ساتھ یکسان طور پر تھا، اسلئے حکما، اور اطبا، دونون نے اُسکے ساتھ اعتنا کیا، اور مختلف نظریات قائم کئے ہلفینوس کا نظریہ یہ ہے کہ بچے کا دماغ ہر صورت ذہنیہ کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اسلئے جو صورت اس کے سامنے آجاتی ہے اُسکو قبول کرلیتا ہے، لیکن چونکہ اسکو سب سے پہلے اپنی ضروریات کا احساس ہوتا ہے، جسکا مہیا کرنا اُسکی ماں کا فرض ہے اسلئے اسکی پہلی مربی اسکی ماں ہے ابتدا مین لڑکے کو بُرا بھلا، عقلمند اور بیوقوف کچھ نہین کہا جا سکتا، جو لوگ یہ کہتے ہین کہ "بچہ موم کا ایک ٹکڑا ہے جو ہر قالب مین ڈھل سکتا ہے" یا جو لوگ یہ کہتے ہین کہ "بچے پر تربیت کا کوئی اثر ہی نہین پڑ سکتا" انکا خیال بالکل غلط ہے، بچہ دو ہی برس کے سن سے خود غرضانہ طور پر اپنی ضروریات کا شدت سے احساس کرتا ہے، اور ہر چیز کو صرف اپنے ہی لئے چاہتا ہے، اُسکو دوسرے کی مطلق پروا نہین ہوتی، وہ ہر بات کو نہایت شوق سے سُننا چاہتا ہے اور اُسکے سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اس زمانہ مین اُسکے اغراض و مقاصد گوناگون اور نہایت مختلف ہوتے ہین، اُس مین زندگی کی حرکت نہایت نمایان طور پر پائی جاتی ہے، وہ اگرچہ اس زمانے مین عقل نہین رکھتا، لیکن نہایت ذکی القلب ہوتا ہے، وہ اس حالت مین صرف ایک حیوان ہوتا ہے جو تربیت کے ذریعہ سے ترقی کرسکتا ہے، جو لوگ اسکو ایک چھوٹا سا انسان کہتے ہین وہ غلطی کرتے ہین، کیونکہ انسانیت اس مین مطلق نہین پائی جاتی۔

جرمن کے مشہور ڈاکٹر گال اور وہان کے مشہور فلاسفر لافائر کی تھیوری یہ ہے کہ

تمام جذبات و خیالات کا مرکز انسان کے اعضا و جوارح ہین، اسلئے اگر وہ کامل اور صحیح ہین تو اسکے ذریعہ سے بچہ انسان کامل بن سکتا ہے، لیکن اُن مین نقص ہو تو بچے پر تعلیم و تربیت کا کوئی اثر پڑ ہی نہین سکتا، لیکن یہ نظریہ افراط و تفریط سے خالی نہین، ہم نے ہزارون بچے دیکھے ہین جو ناقص الخلقت پیدا ہوئے لیکن تربیت نے انکے مخفی قوائے فطریہ کو نہایت نمایان طور پر اُبھار دیا، اسکے بالکل برعکس بہت سے لڑکے ہماری نظر سے گذرے ہین جو نہایت قوی، تنومند اور بلند بالا تھے لیکن چونکہ بچپن مین اُنکی تربیت صحیح طور پر نہین کیگئی، اسلئے انکی تمام فطری قوتین دبکر مردہ ہوگئین، اس بنا پر نہ صرف فطرت بچے کو انسان کامل بنا سکتی، اور نہ صرف تربیت تمام قوائے فطریہ سے اسکو بے نیاز کرسکتی ہے، فطرت کا کام انسان کو مختلف قوار کا عطا کرنا ہے اور وہ انسان کو قوت کا خزانہ دیکر اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتی ہے، لیکن اس قوت سے کام لینا، اور اسکو مناسب طریقہ پر نشو و نما دینا، اور ہر قوت کو صحیح موقع پر لگانا خود انسان کا کام ہے، اور اسی کو اصطلاح مین تربیت کہتے ہین، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ قوائے فطریہ تربیت کے محتاج ہین، اور تربیت قوائے فطریہ کی خواستگار ہے، اسلئے ایک کو دوسرے سے بے نیاز نہین کیا جا سکتا،

فن تعلیم و تربیت کے متعلق یہی آخری نظریہ عام طور پر مقبول ہے، اور اس فن پر جسقدر کتابین لکھی گئی ہین ان مین اسی نظریہ کی تفصیل و تشریح کیگئی ہے، اس سلسلہ مین ہمکو اسوقت صرف ایک کتاب سے بحث ہے جسکا نام "انیسوین صدی کا امیل" ہے آج سے ایک صدی پہلے جیسا کہ اُوپر گذر چکا، فرانس کے مشہور حکیم جان جاک روسو نے اس موضوع پر جو کتاب لکھی تھی، اسکا نام "اٹھارھوین صدی کا امیل" رکھا تھا

لیکن اب دنیا ایک صدی اور آگے بڑھ آئی ہے، اور روز بروز آگے بڑھتی جائیگی، اسلئے ساتھ ساتھ فنِ تعلیم و تربیت کی ترقی بھی ضروری ہے، اسی خیال کی بنا پر فرانس کے ایک مشہور صاحب قلم الفونس ایسکروس نے اس موضوع پر یہ کتاب لکھی جس مین فن تعلیم و تربیت کے وہ اصول قائم کئے جو انیسوین صدی مین کام آسکتے ہین، مصنف نے دلچسپی کے لئے اس کتاب کو ایک قصے کی صورت مین لکھا ہے، یعنی دو میان بیوی فرض کئے ہین، جس مین شوہر کا نام ڈاکٹر اراسم اور بی بی کا ھیلانہ ہے، شادی ہوتے ہی ساتھ ہی شوہر بیوی کو حاملہ چھوڑ کر کسی سیاسی جرم مین قید ہوگیا ہے، لیکن اس قید کی حالت مین شوہر کو بیوی سے خط وکتابت کرنے کا موقع ملتا تھا، اور اس نے انھی خطوط و رسائل کے ضمن مین تمام باتون کے ساتھ بی بی کو متوقع الحصول بچے کی تعلیم و تربیت کے متعلق ہدایتین کی ہین، اور بی بی نے بچہ پیدا ہونے پر جسطرح ان ہدایات پر عمل کیا ہے، اسکی اطلاع شوہر کو دیتی رہی ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب اگرچہ بظاہر ایک ناول معلوم ہوتی ہے، لیکن در حقیقت اس مین فنِ تعلیم و تربیت کے متعلق نہایت مفید معلومات جمع ہوگئے ہین،

اُردو زبان مین اگرچہ بعض مفید کتابون کا ترجمہ ہوگیا ہے، اور خود فن تعلیم و تربیت پر ہربرٹ اسپنسر کی مشہور کتاب "ایجوکیشن" کا ترجمہ شائع ہوچکا ہے لیکن ابتک اُردو کا دامن جرمن اور فرنچ تصنیفات کے تراجم سے بالکل خالی ہے حالانکہ جدید علوم و فنون کے خزانے کی کلید بردار زیادہ تر یہی زبانین ہین، لیکن مصر کی حالت اس مسئلہ مین ہندوستان سے بالکل مختلف ہے، ہندوستان کیطرح اگرچہ وہان بھی تعلیم جدید نے کوئی اعلے درجہ کا مصنف نہین پیدا کیا، تاہم نسبتہً

ہندوستان سے بہتر مترجم پیدا کئے ہین، اسلئے جرمن و فرنچ مین جب کوئی بہتر کتاب شائع ہوتی ہے تو یہ لوگ اُسکو فوراً عربی زبان مین منتقل کر لیتے ہین، اُردو مین لیبان کی صرف دو کتابون کا ترجمہ ہوا ہے، لیکن مصر مین اُسکی متعدد کتابون کے ترجمے ہوچکے ہین ہندوستان مین "اُنیسوین صدی کے ایمل" کا کوئی نام بھی نہین جانتا لیکن مصر مین ایک زمانہ گذرا کہ مفتی محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک و ایماء سے اُسکا ترجمہ ہوچکا ہے

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانہ مین مذہب اسلام کی جو تجدید و اصلاح کی ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے، لیکن مسلمانون کی عام فوز و فلاح، علوم قدیمہ کے احیاء، جدید علوم کی اشاعت، اور مسلمانون کی تعلیم و تربیت کے متعلق اُنھون نے جو کارہائے نمایان کئے ہین، وہ بھی کچھ کم اہمیت نہین رکھتے، دلائل الاعجاز، اور اسرار البلاغۃ جیسی معرکۃ الآرا اور نایاب کتابین مفتی صاحب ہی کی مساعی جمیلہ سے شائع ہوئین، ایجوکیشن کا ترجمہ عربی زبان مین انھی کی بدولت ہوا، "اُنیسوین صدی کا ایمل" بھی مفتی صاحب کی علمی فیاضیون کی ایک نہایت عمدہ یادگار ہے، اس کتاب کو مفتی صاحب کے ایک شاگرد عبدالعزیز بن محمد نے اُنکے حکم سے عربی زبان مین منتقل کیا تھا، وہ ترجمہ بتدریج مصر کے مشہور رسالہ المنار مین شائع ہوتا رہا، لیکن بعد مین اُسکو اُنھون نے ایک مستقل کتاب کی صورت مین جمع کر دیا جسکا نام التربیۃ الاستقلالیہ ہے، چونکہ تعلیم کے مختلف دور ہین، اور ہر دور کی حالت باہم مختلف ہے، اس لئے مصنف نے کتاب کو چار حصون مین منقسم کیا ہے، پہلا حصہ مان سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا حصہ اُس زمانے سے متعلق ہے جب لڑکا محض شیر خوار ہوتا ہے، تیسرے اور چوتھے حصہ مین سن رشد اور زمانہ شباب سے بحث ہے۔

پہلے حصہ مین یہ بتایا ہے کہ مان کو زمانۂ حمل مین اپنی صحت کی ترقی کا نہایت خیال رکھنا چاہیئے، اور موثرات نفسانیہ سے الگ اطمینان وسکون کے ساتھ تفریحی زندگی بسر کرنی چاہیئے، اور چونکہ ابتدائی تربیت کا تمام تر تعلق مان سے ہوتا ہے اسلیئے اُسکو ابتدا ء سے بچے کی تربیت اس انداز پر کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی تمام حرکات وسکنات مین مستقل بالذات ہو اور فاعل بالاختیار ہو،

دوسرے حصہ مین حسب ذیل مسائل کی تشریح کی ہے،

(۱) تربیت کی تعریف، اور زمانۂ تربیت کی تحدید وتعین،

(۲) بچے کی زندگی کے ابتدائی مہینون مین مان کو اسکی تربیت کے متعلق کیا کرنا چاہیئے؟

(۳) بچے کے ابتدائی علوم کا ذریعہ صرف حواسِ ظاہری ہین، اِسلیئے مان کو اُس کی تربیت کس طرح کرنی چاہیئے؟ اور حواس پر تمدن کا کیا اثر پڑتا ہے؟

(۴) مان کو سب سے پہلے بچے کے مذاق طبیعت کا پتہ لگانا چاہیئے، مان باپ کی یہ سخت غلطی ہے کہ بچے کو اپنے مذاق طبیعت کے موافق تربیت دیتے ہین، اسی غلطی کا یہ نتیجہ ہے کہ حقیقی طور پر مستقل اور آزاد اشخاص نہین پیدا ہوتے، اسی ضمن مین طبیعت کی ماہیت اور ارادہ کے خلقی یا کسبی ہونے سے بحث کی ہے،

(۵) رنج وغصہ کی حالت مین بچے کے مُونھ سے جو آواز نکلتی ہے، یا اس حالت مین اس سے جن حرکات کا ظہور ہوتا ہے، اس سے اُسکے دل کو تسکین ہوتی ہے، اسلیئے وہ اسپر مجبور ہے، اس سے روکنے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ اسکا دل دوسرے طریقہ سے بہلایا جائے، اس حالت مین اُسکو جبراً روکنا سخت مضر ہے، اِسی طرح اگر بچے کے دل مین بُرے خیالات یا بُرے جذبات پیدا ہون تو اُنکے روکنے کی صرف دو صورتین ہین، یا تو دوسرے مناسب ذرائع سے اسکا دل اُنکی طرف سے پھیر دیا جائے یا ان محرکات سے اسکو الگ رکھا جائے جن سے ان جذبات کی تحریک ہوتی ہے، بہرحال اگرچہ تربیت اطفال مین جبر واستبداد کی بھی ضرورت ہے تاہم جہان تک ممکن ہو اُس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

(۶) بچے کو مذہبی تخویفات مثلاً دوزخ وعذاب قبر سے نہ ڈرانا چاہیئے، اور نہ اُس سے مذہبی مسائل پر گفتگو کرنی چاہیئے، اُسکو مذہبی خیالات سے بالکل خالی الذہن رکھنا چاہیئے، تاکہ بڑا ہوکر وہ ان پر خود غور کرسکے،[1]

(۷) بچے کی تربیت مین علم الاخلاق کے اصول اور مان باپ کے عملی نمونہ کی تعلیم بالکل غیر مفید ہے، کتابون مین جانورون کے جو قصے مذکور ہوتے ہین، اُنکا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ جانورون کے شریفانہ خصائل کا بچون پر اثر پڑے، لیکن اسکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بچون کو خود عملی طور پر جانورون کے بہترین اخلاق وعادات کے سیکھنے کا موقع دیا جائے۔

(۸) حواس باطنی کی تربیت کا کیا طریقہ ہے؟ بچون کو وعظ وپند کے ذریعہ سے تعلیم دینا اُنکی توہین کرنا ہے، بچون کو غور وفکر کرنے کا طریقہ کس طرح سکھانا چاہیئے؟

(۹) لڑکے جو کچھ بچپن مین کرتے ہین، اُن مین ہر کام مہمل اور بے معنی نہین ہوتا، بلکہ ان مین بعض مفید بھی ہوتے ہین،

(۱۰) بچون کو جانورون سے اور جانورون کو بچون سے کیون اُنس ہوتا ہے؟

(۱۱) بچون پر حُسن وجمال کا کیا اثر پڑتا ہے؟

[1] مترجم نے اس سے اور نیز ان تمام خیالات سے جو مصنف نے مذہبی تعلیم کے متعلق ظاہر کیے ہین، اختلاف کیا ہے

(۱۲) بچون کو راستبازی، لطف وکرم، مواسات وہمدردی، اور عدل وانصاف وغیرہ کی
تعلیم علمی طور پر کیونکر دینی چاہیئے؟

(۱۳) مربی کی یہ سخت غلطی ہے کہ وہ بچے کے سامنے اپنے آپکو ہر چیز کا عالم ثابت
کرے، اگر وہ کسی چیز سے ناواقف ہے تو اسکو بچے کے سامنے اسکا علانیہ اعتراف
کرنا چاہیئے۔

(۱۴) تربیت کی نہایت ضروری شرط یہ ہے کہ مربی جو کچھ جانتا ہے اُسکو کلیۃً بھلادے
اور بچے کے ساتھ اُسکو دوبارہ سیکھنا شروع کرے،

(۱۵) بچے کی تعلیم مین تدریجی ترقی نہایت ضروری ہے، اسلیئے اُسکی تعلیم کی ابتدا
اُن چیزون سے ہونی چاہیئے جو اُسکے گرد وپیش موجود ہین، اسی ضمن مین موجودہ نصاب
تعلیم پر تنقید کی ہے، اور بتایا ہے کہ تصویر اور نمائش وغیرہ سے کیا تعلیمی فوائد حاصل
ہوتے ہین،

(۱۶) بچون کو سیر وسیاحت کے ذریعہ سے عملاً جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم دینی چاہیئے۔

(۱۷) بچون کے لئے جو کھلونے خریدے جاتے ہین اُنکے ذریعہ سے اُنکو صنعت کی
تعلیم دینی چاہیئے۔

(۱۸) پڑھنا، لکھنا، اور نقش وتصویر بنانا مختلف چیزین ہین، اِسلیئے اُن مین فطری
تربیت تدریجی کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

تیسرے حصہ مین فن تربیت کے متعلق حسب ذیل ہدایتین مذکورہ ہین،

(۱۹) سمیات کی تعلیم اسمار سے پہلے دینی چاہیئے۔

(۲۰) لڑکون کو لڑکیون کے ساتھ ساتھ تعلیم دینی چاہیئے۔

(۲۱) لڑکون کو اعمال شاقہ کے کرنے کا خوگر بنانا چاہیئے،

(۲۲) یونانی اور لیٹن زبانون کی تعلیم پر تنقید۔

(۲۳) لڑکون کے لئے مفید کتابون کا انتخاب،

(۲۴) موثرات طبعی کے ذریعہ سے تربیت۔

(۲۵) جرمن طلبا کی تعلیمی حالت پر تنقید۔

(۲۶) تعلیم یافتہ نوجوان جو کچھ پڑھتے ہین، اُنکو خود اُسپر تنقید کرنی چاہیئے۔

(۲۷) عقلی علوم کی تحصیل مین اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے۔

(۲۸) تعلیم یافتہ نوجوان جن اشغال مین اپنی آیندہ زندگی گذارنا چاہتے ہین، اُن کو
پہلے ہی سے انتخاب کرلینا چاہیئے۔

(۲۹) جس قوم کے تعلیم یافتہ نوجوان ملازمت پر جان دینگے اُسمین حریت واستقلال نہین پیدا ہوسکتا

(۳۰) قوم کی خدمت قوم کے لئے کرنی چاہیئے نہ کہ حصول معاوضہ کے لئے۔

(۳۱) نوجوانون کو فلسفۂ تخلیق وتکوین، فلسفۂ تمدن اور فلسفہ اجتماع کی تعلیم حاصل کرنی
چاہیئے اور صرف براہین عقلیہ پر اعتماد کرنا چاہیئے نہ کہ خطابی دلائل پر،

(۳۲) ہر تعلیم یافتہ نوجوان کو اپنے ملک کی سیاست کے متعلق ایک خاص رائے
رکھنی چاہیئے،

یہ فن تربیت کی مختصر تاریخ، اور کتاب کے مہمات مسائل کی اجمالی تاریخ ہے
اسکے بعد ہم آیندہ نمبرون مین ان مسائل پر نہایت تفصیل سے بحث کرینگے۔

باب التقریظ والانتقاد

حمزہ اصفہانی

(۳)

تحریر جی کے نریمان پارسی

بطلام کے حالات اور واقعات کے متعلق حمزہ نے جس طرح معلومات حاصل کین، خود اُس نے بیان کیا ہے، ابودلاف کا غلام ایک یونانی قیدی تھا، وہ یونان کی علمی زبان مین کامل دستگاہ رکھتا تھا، اور عربی بول چال سے بھی اسکو واقفیت تھی، اُسکا بیٹا ملازم سرکار تھا، وہ دونون زبانین جانتا تھا، اور اپنے باپ اور حمزہ کی ترجمانی کرتا تھا، بڈھا یونانی قیدی کسی یونانی کتاب سے کوئی مضمون پڑھتا تھا، اور اُسکا لڑکا حمزہ کے لئے عربی مین ترجمہ کردیتا تھا، حمزہ نے اس طرح غیر معمولی معلومات کا ایک کافی ذخیرہ جمع کرلیا، بلاشبہ وہ ان تمام باتون پر ذاتی یقین رکھتا تھا، چنانچہ اُسکی تاریخ تمام تر یونانی مصنفون کے بیانات پر مبنی ہے،

ہمکو افسوس ہے کہ بمبئی کے کتب خانے ایسی عربی کتابون سے خالی ہین جن سے ہم اس امر کا پتہ لگا سکتے کہ عربی مورخین نے ایرانی ماخذون سے کہانتک فائدہ اٹھایا ہے بہرحال ان چند اوراق سے جو ہم تک پہونچے ہین، اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عربی مصنفین کے ایرانی ذرائع کچھ کم وقیع نہ تھے، حمزہ کا بیان ہے کہ "مین نے مجوسیون سے علمی مشورے لئے" مثلاً مقامات ایران کی تاریخ کے متعلق حمزہ نے مجوسیون سے معتدبہ معلومات حاصل کین، یاقوت نے اس بیان کی تائید کی ہے، فتح ایران کے بعد عربون نے

خالص فارسی زبان اور تلفظ کو اس طرح خراب کیا کہ پہچاننا مشکل تھا، ایران کی حالت پچاس برس پہلے ہندوستان کی حالت کے بالکل مشابہ تھی، جبکہ یورپین ہندوستانی شہرون کے نام نہایت غلط طریقہ پر لیتے تھے، شوبیہ کا ایک یہ بھی مقصد تھا کہ ایرانی نام پھر اپنی اصلی صورت اور حالت پر لائے جائین، اس موقع پر شوبیہ کے متعلق مین چند الفاظ کہونگا، یہ ایرانی مسلمانون کی ایک علمی جماعت تھی جسکا مقصد قدیم ایران کے روشن کارنامون کو از سرنو زندہ کرنا تھا، بلکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھے، اُنھون نے عربون پر طعن و تعریض کی، اور اُنکے ملک کی ہر چیز کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، یہانتک کہ اس جماعت کے ایک فرد نے عربون کے مذہب سے بھی نہایت بے باکانہ تعرض کیا، براؤن اور نکلسن نے اُنکی مفید علمی سرگرمیون کا نہایت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے،

عرب ایرانیون کو دیکھکر علم صرف مین نہایت دلچسپی لیتے تھے، اکثر ایرانی اُنکو اسمار خاص کی صحیح علمی توجیہ سے آگاہ کرتے رہتے تھے، ہم اس بات کے اعتراف کرنے پر مجبور ہین کہ اکثر اُنکی معلومات محض تخیل یا عام علم صرف پر مبنی ہوتی تھی، حمزہ نے ایک موبد سے بصرہ کے نام کے متعلق مشورہ لیا، اور جو جواب اُس نے دیا وہ اگرچہ ہمارے ترقی یافتہ فن زبان کی رُو سے کوئی وقعت نہین رکھتا، لیکن حمزہ کے لئے تسلی بخش تھا، اسی طرح ایک دوسرے موبد نے حمزہ سے مدین کے محل کے متعلق گفتگو کی۔

حمزہ نے فن زبان کے متعلق قدما کی تصانیف کو بغور مطالعہ کیا، چنانچہ اُسکی ہر تصنیف سے اسکی وسیع معلومات اور غیر معمولی علمیت کا اندازہ ہوتا ہے، ہم اس موقع پر عرب مصنفین کی ایک خاص خصوصیت پر سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہین، جس

چیز کو ہم آج حوالہ کہتے ہین، وہ اس سے ناواقف نہ تھے، لیکن ماخذ کا حوالہ دینا اسوقت تک
کوئی خاص اصول تسلیم نہین کیا گیا تھا، بغیر ماخذ کا حوالہ دیئے ہوئے قدما عبارت کی
عبارت لفظ بہ لفظ نقل کر دیتے تھے، اس طرز عمل سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان تصنیفات
کا جو بالکل ناپید ہین، اسوقت ایک بہت بڑا سرمایہ موجود ہے، چنانچہ شاہان ایران کے
دربار اور ان رسمون کا بیان جو سلطنت ساسانیہ کے زمانہ مین ادا کیجاتی تھین، ایسی
کتابون مین محفوظ ہے جنکا مستقل موضوع اس سے بالکل مختلف ہے، مثلاً ابن قتیبہ نے
ایک قدیم ایرانی النسل عربی مصنف یعنی کسروی کی تصانیف سے ان مراسم کا مفصل
تذکرہ جو نوروز کے موقع پر عمل مین آتی تھین، اپنی کتابون مین نقل کر دیا ہے، اس طویل
مضمون کے پڑھنے سے قدیم ایران کی گذشتہ طرز معاشرت اور تہذیب کی ایک صحیح
اور دلفریب تصویر ہمارے آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے، ہمارے خیال مین یہ
مضمون خود پہلوی سے عربی مین ترجمہ کیا گیا ہے، خاص ایرانی نامون کو کاتبون نے
بوجہ عدم واقفیت کے یا تو بالکل بدلدیا یا غلط لکھدیا ہے، لیکن چونکہ مجھکو عربی اور پہلوی سے
کامل واقفیت نہین ہے، اسوقت اسکے متعلق مین کوئی رائے نہین قائم کر سکتا، اب
ہمکو حمزہ کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے، وہ اس اصول سے بالکل مستثنےٰ تھا، وہ عبارت
نقل کرتے وقت اپنے ماخذ کا حوالہ بھی دیتا جاتا ہے، اور وہ ان لوگون کا بھی ذکر کر دیتا ہے
جنکی تصانیف پر اسکو بحث کرنی رہتی ہے، اس بنا پر حمزہ کی تصانیف مین ان کتابون
جو اسوقت بے نام و نشان ہین، تاریخ ایران کے متعلق نہایت بیش بہا سرمایہ محفوظ ہے
اور ہم اسکے ممنون ہین کہ اسکے ذریعہ سے ناپید تصانیف کے مصنفون کا حال کسیقدر
وثوق کے ساتھ معلوم کر سکتے ہین۔

اب ہم ان تصانیف پر جن سے حمزہ نے فائدہ اٹھایا، ایک نظر ڈالنا چاہتے ہین
سب سے زیادہ اہم تصنیف جس سے حمزہ نے اپنی تاریخ مین کافی مدد لی، خدائی نامہ عربی ہے،
اسکے ماخذون اور مختلف ترجمون کے بیان کے لئے ایک مستقل باب کی ضرورت ہے،
موہل نے کم و بیش تفصیل کے ساتھ اسکے متعلق اپنے ترجمۂ شاہنامہ کے دیباچہ مین لکھا ہے،
جسکا ترجمہ مسٹر خاندلا والا نے انگریزی مین کیا ہے، ایک دوسرا مضمون بیرن روسن نے
روسی زبان مین اور ایک تیسرا ناقدانہ مضمون نولدکی نے جرمن زبان مین لکھا ہے، افسوس ہے کہ
جرمن رائٹر کو قدیم ایران سے بالکل ہمدردی نہین ہے، حمزہ نے اور جن کتابون کا مطالعہ کیا
اُس مین حسام الدین اور خوارزمی کی مورخانہ تصانیف تھین، معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے
البلخی، القدائی، طبری، اور ابن قتیبہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے،

خود حمزہ کی تصانیف مین ذیل کی کتابین قابل لحاظ ہین، افسوس ہے کہ اُس کی
بہت سی تصنیفین ضائع ہوگئین، تقریباً بارہ کتابین اُسکی طرف منسوب کیجاتی ہین، جو مختلف
فنون سے تعلق رکھتی ہین، مثلاً تاریخ، لغت سازی، ادب وغیرہ وغیرہ، ان کتابون مین سے
محض تین کتابین موجود ہین، یعنی تاریخ سنین، مجموعۂ امثال، اور دیوان ابو نواس، اُسکی گمشدہ
تصانیف کا معتد بہ ذخیرہ پچھلے مصنفون کی کتابون مین موجود ہے،

حمزہ نے اپنی تاریخ کا نام تواریخ الارض والملوک رکھا ہے، دس باب پر مشتمل ہے،
اور بالترتیب ایران، روم، مصر، اور بنی اسرائیل، لخامادس، ہمبادس، ہمارس، کنداوس کے
حالات اور واقعات لکھے ہین، اسکے بعد خاندان اسلامیہ کا تذکرہ اپنے زمانہ تک کیا ہے
حمزہ کا طرز بیان نہایت پاکیزہ اور مختصر ہے، بار بار لکھتا ہے کہ مین نے ہمیشہ اختصار کو
پیش نظر رکھا ہے، پہلے باب مین تاریخ ایران اور دسوین مین تاریخ عرب کو نہایت تفصیل سے

لکھا ہے۔

پہلے باب مین ایک ایسی مثال موجود ہے جس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ حمزہ ایکطرف ایرانی معاملات سے بخوبی واقف تھا، اور دوسری طرف علم صرف پر اُسکی نظر نہایت سطحی تھی، لغو اور پادرہوا باتون کو نہایت جلد قبول کرلیتا تھا، مثلاً اُسکے نزدیک لفظ "تاریخ" "مہ روز" سے متعلق ہے، اس قسم کے مشتقات اکثر اسکی تاریخ مین ملتے ہین، مثلاً سریر تخت سے، اور برید یعنی وہ جانور جسپر زمانۂ خلافت مین ڈاک لیجاتے تھے ایرانی دم بریدہ سے مشتق ہے، بہرحال اُس نے ایران کے جغرافیائی مقامات کے بگڑے ہوئے نامون کو اصلی صورت پر لاکر اپنے ملک کی کچھ خدمت کی،

دوسرے عربی مصنفون کی طرح حمزہ جب کبھی ایسا مسئلہ بیان کرتا ہے جس کے صحت مین اُسکو شبہہ ہوتا ہے، تو وہ اکثر وہو عالم بالصواب لکھدیتا ہی یعنی خدا سب سے بہتر جانتا ہے

بیرونی نے اپنی مشہور تصنیف متعلق کرانالوجی اور مجمل کے (یہ ایک فارسی تصنیف ہے جو ۵۲۰ھ مین لکھی گئی) غیر معلوم مصنف نے حمزہ کی تاریخ الارض والملوک سے معتد بہ فائدہ اُٹھایا ہے، آخر الذکر تصنیف جیسا کہ مقابلہ کرنے پر ظاہر ہوتا ہے، حمزہ کے اس باب کا جو تاریخ ایران سے متعلق ہے، محض لفظی ترجمہ ہے، لہذا ایک جداگانہ تاریخ کی حیثیت سے اُسکی کوئی وقعت نہین ہے،

ادبیات

قدیم اساتذہ اردو کے کلام مین جدید شاعری کا عنصر

آج جدید اور فطری شاعری کے نام سے اُردو مین جو شاعری کے نمونے پھیلتے جاتے ہین، لوگ عموماً اُنکو موجودہ نسل اور جدید تعلیم کی کمائی سمجھتے ہین، ہم اُس جماعت مین ہین جو ہر شے کی تدریجی ترقی کی مدعی ہے، یورپ کے تمام جدید علوم وفنون جس معیار ترقی پر ہین اُنکو کسی درمیانی زینے کے بغیر یونان کی اکاڈمیون سے لیکر یورپ کی یونیورسٹیون تک پھونچا دینا، نظام کا "طفرہ" ہے، بیچ کی کڑیان مدارس اسلامیہ کی تحقیقات ہین، جنکی علوم کے سلسلۂ تاریخ مین فراموشی، ارتقائی ترقی کے مسلمہ مسئلہ کی عملی تکذیب ہے، ہماری شاعری کا بھی یہی حال ہے۔

آج جسکو جدید شاعری کہتے ہین، اسکی خصوصیات حسب ذیل ہین، ۱ مُسلسل ہو ۲ کسی خاص موضوع پر ہو، ۳ اسرار فطرت کی صحیح تصویر ہو، قدیم اشعار عرب، اور غزنوی وسلجوقی دور کے شعرائے فارس، اور متاخرین مین قاآنی کے دیوان مین اس قسم کے نہایت کثرت سے کلام ملتے ہین، اُردو کے شعرائے متقدمین کے دیوان بہت کم شائع ہین، تاہم جنکا کلام آج مل سکتا ہے، انکے دواوین کے گلچینی سے ایک اچھا خاصہ گلدستہ تیار ہوسکتا ہے، قدما کے ہان مسلسل کلام زیادہ تر قطعات کی صورت مین ہین، قدیم شعرائے اُردو کے اس قسم کے کلام کے نمونے کبھی کبھی معارف کے ذریعہ ناظرین کی ضیافت طبع کے سامان ہونگے۔

۱- وارفتگانِ عشق کی روداد

میر حاجی حسن دہلوی تجلّی، خواہرزادہ میر تقی میر مرحوم

وارفتگانِ عشق کا سُن حال ہمنشین
بیرونِ شہر جاتا تھا مین کل چلا ہوا

ٹوٹی سی ایک قبر نظر آگئی مجھے
جانا کہ دل شکستہ ہی کوئی یان دبا ہوا

اک بیکسی سی اُسپہ برستی تھی دیکھ کر
رویا مین، دیر ابر نمط، وان کھڑا ہوا

ناگہ سرہانے کی جو طرف پڑگئی نگاہ
لوحِ مزار پر تھا یہ اُسکے کھدا ہوا

ای دردمندِ عشق! جو ادہر سے نکلے تو
ٹک ٹھہر، ایک دل شدہ ہی یان گڑا ہوا

دو بول لکھ رکھے ہین نصیحت کے واسطے
دیکھ اُسکو چشم دل سے اگر ہی پڑھا ہوا

زنہار دل کے جانیکو مت سہل جانیو
"دل" ہائے جسکو کہتے ہین ہی وہ گیا ہوا

دیوانہ پن ہے جاننا، اپنا رفیق اُسے
بیگانہ ہے وہ جب کسی سے آشنا ہوا

بیگانگی تو ایک طرف، بلکہ بے وفا
دشمن ہے اپنا دوست جہان اور کا ہوا

سمجھا تھا مین بھی دینے کا جب دل کے قصد تھا
پرچیگا بارے دل بھی، اگر دلربا ہوا،

لیکن جب اختیار مین وہ اور کے گیا
تو رفتہ رفتہ کیا کھون احوال کیا ہوا

چلنے لگے ہر ایک طرفسے خدنگِ طعن
سینہ، جگر، نشانہ تیرِ بلا ہوا

یک عمر جنکی دوستی مین صرف کی تھی ہائے
اُن مین ہر ایک دشمنِ جانی مرا ہوا

فصلِ بہار ہونے لگی پھر خزانکے بیچ
سرخ اشک، زرد رُخ پہ جو آیا بہا ہوا

گلرنگ آنسو بھونچے جو دامان تلک بہت
ہر تختہ، تختہ ہائے چمن سے سوا ہوا

کوسون سے چشمے اُترے مری چشم کے سبب
دریا، مژہ نے مدتون رکھا چڑھا ہوا

ٹپکا کیا ہون راتون کو سر خون سے مرے
دیوار و در ہے، دیکھ لے ابتک رنگا ہوا

القصہ دم کے دم مین اگر کچھ خوشی ہوئی
تو برسون تک غمون ہی مین جی مبتلا ہوا

چھوٹونگا دل کے ہاتھ سے جانا تھا بعدِ مرگ
لیکن نہ اس عذاب سے اب بھی رہا ہوا

دل کہتا اُسکو لطف نہین اب بغل کے بیچ
انگارا آگ کا ہی دہرا دہکتا ہوا

بوسیدہ استخوانونکو بھی لگ اُٹھی ہی آگ
یون شعلہ بیٹھتا نہین اُس سے اٹھا ہوا

گر تجھکو اعتبار نہین دیکھ اب تلک
حاضر ہے جابجا سے کفن بھی جلا ہوا

شاید عذاب قبر جو کہتے تھے ہے یہی
دنیا مین تھا سو آیا یہان بھی لگا ہوا

پہلو سے میرے اُسکو نکال اب و گر نہ مین
آرام پھر کہان، جو نہ اس سے جدا ہوا

سو دے ہی گا نہ سونے ہی دیویگا یہ رقیب
تا صبح حشر تڑپونگا یون ہی پڑا ہوا

بالفرض بعدِ مرگ جو جنت مین بھی گیا
دوزخ تو میرے ساتھ ہی کیا فائدہ ہوا

حاصل کلام یہ ہی تجلّی کہ میری جان!
پچھتائیگا جو مرتکب اس امر کا ہوا

جی دیجیو یہ دل نہ کہین دیجو زینہار
دُکھ دے ہی دو جہان مین یہ ظالم دیا ہوا

۲- قیدِ مکان سے آزادی

میر محمد تقی میر مرحوم دہلوی

کچھ کچھ کہونگا، روز یہ کہتا تھا دل مین مین
آشفتہ طبع میر کو پایا اگر کہین،

سو کل مجھے براہ بیابان کی سمت کو
جاتا تھا اضطراب زدہ سا ادھر کہین

لگ چل کے مین برنگ صبا اس سے یہ کہا
"ای خانمان خراب ترا بھی ہی گھر کہین

آوارہ جابجا جو پھرے ہی تو دشت مین
جا گہ نہین ہی شہر مین تجھکو مگر کہین

خون بستہ اپنی کھول مژہ پوچھتا ہی گر
رکھ ٹک تو اپنے حال کو مد نظر کہین

آسودگی سے جنس کو کرتا ہی کون سخت | جانے ہی نفع کوئی بھی جی کا ضرر کہین
موتی سے تیرے اشک ہین غلطان کسی طرف | یاقوت کے سے ٹکرے ہین لختِ جگر کہین
تا کے یہ دشت گردی و کتبک یہ خستگی | اس زندگی سے کچھ تجھے حاصل بھی مر کہین
کھنے لگا وہ ہو کے برآشفتہ یک بیک | مسکن کرے ہی دہر مین مجھسا بشر کہین
آوارگون کا ننگ ہی سننا نصیحتین | مت کھیو ایسی بات تو بارِ دگر کہین
تعین جا کو بھول گیا ہون یہ ہی یہ یاد | کہتا تھا ایک روز یہ اہلِ نظر کہین
بیٹھے اگرچہ نقش ترا تو بھی دل اُٹھا | کرتا ہی جاے باش کوئی رہگذر کہین
کتنے ہی آے لیکے سرِ پر خیال، پر | ایسے گئے کہ کچھ نہین اُنکا اثر کہین

۳- ترکِ محبت

مرزا رفیع سودا

سودا سے رات مین کہا مغموم کیون ہی تو | اٹکا ہی اندنون مین ترا دل مگر کہین
کھنے لگا یہ سچ ہی پر اُسکی اگر یہ جی | نچ جاے تو نہ دل کو دون بار دگر کہین
پوچھا جو مین سبب تو کہا کیا نہین سُنی؟ | قاصد مرے کے جانکی تو نے خبر کہین
نامہ لکھا تھا یار کو مین نے سمجھ کے ہے | عالم مین رسم نامہ و پیغام، ہر کہین
لیکن سوائے بندگی و عجز وانکسار | نکتہ ہوا اس مین حرفِ تمنا سے گر کہین
ق
وان لیکے مجھکو ماریئے گردن کہ جس جگہ | پانی کے قطرے کا بھی نہووے اثر کہین
ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو | آتا ہے ایلچی پہ زوال اسقدر کہین
ارتا پھرے ہی نامہ گلی مین کسی طرف | دھڑ سے جدا پڑا ہی سر نامہ بر کہین
وقتیکہ دلبرانِ جہان کا ہو یہ سلوک | پھر دل کو دون، کہو تو کس اُمید پر کہین

مطبوعاتِ جدیدہ

اُم الالسنہ، جب دنیا چند خاندانون سے عبارت تھی، اسوقت اُسکی مادری زبان کیا تھی؟ یا دنیا کی پہلی زبان کیا تھی؟ عموماً آجکل سامی، تورانی، اریانی، تین جماعتون پر تمام دنیا کی زبانین تقسیم کیجاتی ہین، سامی مین عربی و عبری وغیرہ زبانین داخل ہین، اریانی جسکا دوسرا نام انڈو یوروپین ہے، سنسکرت، قدیم فارسی، اور یورپ کی اکثر زبانونکی مان سمجھی جاتی ہے۔

داعی اسلام جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے، ال، ال بی، ایڈیٹر اسلامک ریویو، (انگلینڈ) دعوی کرتے ہین کہ دنیا کی سب سے پہلی زبان جسکو اُم الالسنہ کہنا چاہیئے، عربی زبان ہے، تقسیم مفروض کے مطابق انگریزی زبان بھی اریانی مین داخل ہے، اور اختلاط الفاظ کی بنا پر وہ تمام یوروپین زبانون کی اُردو ہے، خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق سنسکرت و فارسی اور دیگر یوروپین زبانون کے اتحادِ اصل پر الفاظ کے ایک کثیر حصہ کا اشتراک ثبوت دعوی کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے، اس بنا پر خواجہ صاحب نے پانچ سو الفاظ انگریزی (یعنی اریانی زبان کی مخلوط ترین زبان) اور عربی (یعنی سامی زبان کی خالص ترین زبان) مین مشترک ثابت کئے ہین، جس سے اپنے اس دعوی کی وہ شہادت بہم پہونچاتے ہین کہ عربی ہی زبان اُم الالسنہ ہے،

اُم الالسنہ کی تحقیقات و دلائل اور اصل مسئلہ محرک پر آیندہ ایک مفصل مضمون لکھینگے لیکن اسوقت اس اعتراف کے بغیر ہم نہین رہ سکتے کہ خواجہ صاحب نے اس تصنیف پر بڑی شدید محنت صرف کی ہی، اور تلاش و جستجو کی ایک قابل قدر مثال پیش کی ہی، جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء

کاغذ و طبع اعلےٰ، قیمت ۱۲؍، منیجر اشاعت اسلام، نولکھا، لاہور سے ملیگی،

ہندوستان کی موسیقی، اواخر ماہ مارچ سال روان مین، بڑودہ مین ایک میوزک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، مولانا عبدالحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز نے جو ہندوستان مین مشرقیات کے بہترین عالم ہین، اِس کانفرنس مین مسلمانون کے فن موسیقی پر ایک قابل قدر لکچر دیا تھا، لکچر مذکور دلگداز پریس مین چھپ گیا ہے، اور شائقین کو عام طور سے مل سکتا ہے، موضوع گو اس سے زیادہ وسعت طلب تھا، تاہم مولانا شرر کے فیاض قلم نے جو کچھ عنایت کیا ہے اُس پر بھی ہم قانع ہین،

ضخامت ۴۳ صفحہ، قیمت ۴ر، دلگداز، لکھنؤ سے طلب کیجئے،

ستارۂ صبح، مولوی ظفر علی خان بی، اے سابق ایڈیٹر دکن ریویو و زمیندار کی ایڈیٹری مین کرم آباد (پنجاب) سے ایک ہفتہ وار علمی رسالہ "ستارۂ صبح" کے نام سے شائع ہونے لگا ہے رسالہ ہر ہفتہ بڑی تقطیع کے ۳۲ صفحہ پر نکلا کریگا، بالفعل صرف نمونہ کا پرچہ شائع ہوا ہے جسمین علمی، تاریخی، ادبی، اور مذہبی مضامین مختلف عنوانون کے تحت مین لکھے گئے ہین، کوشش کی گئی ہے کہ رسالہ ہندو مسلمان دونون کی یکسان دلچسپی کا باعث ہو،

مضامین تمامتر مولوی ظفر علی خان اور مولانا عبداللہ العمادی کے قلم سے نکلے ہوئے ہین اور گو مضمون نگارون کے نام نہین بتائے گئے ہین، لیکن آشنایانِ رمز بغیر ابو ذخم کا ہینیاں کے نشان سے اصل حقیقت تک پھونچ سکتے ہین، ہم اس اصول کے قطعاً مخالف ہین کہ کسی مشترک رسالہ کو صرف ایک ایڈیٹر کے نام مین منضم کردیا جائے

گو ابھی صرف ایک نمبر شائع ہوا ہے، تاہم ابھی سے:

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

کاغذ و طبع، متوسط، قیمت ۶ روپیہ سالانہ، کرم آباد، پنجاب، دفتر معارف مشرقیہ،

مجلد اول | ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق فروری سنہ ۱۹۱۷ء | عدد ہشتم

مضامین